مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۷ | شوال ۱۴۳۷ھ | جولائی ۲۰۱۶ء | شمارہ ۷

التواصی بالصبر

تبلیغ اعمال کا اہتمام

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/ ۲۰ روپے　　زر سالانہ =/ ۲۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

التواصی بالصبر

تبلیغ اعمال کا اہتمام

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱......	تمہید	۹
۲......	تبلیغ سے مانع کیا ہے	۱۰
۳......	اعذار شرعیہ کے بیان کا موقع کہاں ہے	۱۰
۴......	جو عمل کا اہتمام نہ کرے اس کو اعذار نہ بتلائے جائیں	۱۲
۵......	دعوت و تبلیغ کے درجات	۱۳
۶......	سوال و جواب	۱۴
۷......	فرع کی عمدگی کی ضرورت	۱۵
۸......	اہمیت اعمال	۱۵
۹......	اہمیت اعمال کی دوسری دلیل	۱۷
۱۰......	جملہ خبریہ سے مقصود انشاء ہے	۱۹
۱۱......	عقائد سے مقصود	۲۱
۱۲......	اہتمام عمل کی تیسری دلیل	۲۱
۱۳......	عقیدہ اور عمل میں فرق	۲۲
۱۴......	خلاصہ کلام	۲۴

۱۵.....	تبلیغ کرنے میں کوتاہی	۲۴
۱۶.....	ماتحتوں کو تبلیغ کرنے میں کوتاہی	۲۵
۱۷.....	پیری مریدی کی حقیقت	۲۶
۱۸.....	مریدین کو تبلیغ کرنے میں کوتاہی	۲۷
۱۹.....	مرید کو تبلیغ نہ کرنا وعدہ خلافی ہے	۲۸
۲۰.....	پیری مریدی کے متعلق عوام کی غلطی	۲۸
۲۱.....	جاہل پیروں کی غلطی	۲۹
۲۲.....	پیروں کے ساتھ لوگوں کا برتاؤ	۳۰
۲۳.....	بیعت ہونے کے بعد بھی عملی کوتاہی	۳۰
۲۴.....	اکثر سالکین کیفیات کے طالب ہیں	۳۱
۲۵.....	حقیقت مجاہدہ وریاضت	۳۱
۲۶.....	مجاہدہ سے ازالہ رزائل نہیں ہوتا بلکہ مضمحل ہوجاتا ہے	۳۲
۲۷.....	ترک طعام ومنام مجاہدہ نہیں بلکہ مقدمہ مجاہدہ ہے	۳۳
۲۸.....	احوال وکیفیات کو مقصود سمجھنا غلطی ہے	۳۴
۲۹.....	اناڑی پیروں کا غلط طریقہ علاج	۳۴
۳۰.....	بے تکے وظائف	۳۵
۳۱	اشغال کی تعلیم میں غلطی	۳۶
۳۲	کیفیات کے مقصود نہ ہونے کی دلیل	۳۷
۳۳	اشکال وجواب	۳۷

۳۴	جس کے اسباب اختیار میں ہوں وہ شئی اختیاری ہے	۳۸
۳۵	جماعت مبطلین اور ان کا طرز عمل	۳۹
۳۶	کیفیات محمودہ مذمومہ میں امتیاز کا معیار	۴۰
۳۷	ہندوؤں کو بیعت کرنے کا نقصان	۴۰
۳۸	جاہل پیر کی ہرزہ سرائی	۴۱
۳۹	تصوف سے بداعتقادی کی وجوہ	۴۲
۴۰	کیفیات کے غیر مقصود ہونے کی وجہ	۴۳
۴۱	حصول کیفیات پر شکر کرے عدم حصول پر غم نہ کرے	۴۳
۴۲	عاقل ذکی کو کیفیات کم ہوتی ہیں اس پر ایک واقعہ	۴۴
۴۳	توفیق ذکر بڑی دولت ہے اس پر ایک عبرتناک حکایت	۴۵
۴۴	ایک آقا و غلام کی حکایت	۴۵
۴۵	ایک سالک کی حکایت	۴۶
۴۶	قبولیت عبادت کی علامت	۴۷
۴۷	قابل اصلاح اعمال	۴۸
۴۸	شیخ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ	۴۹
۴۹	شیخ کی صفات	۴۹
۵۰	اصلاح اخلاق کا اہتمام	۵۰
۵۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل	۵۰
۵۲	حضرت مقداد کا واقعہ	۵۲

۵۳	ہماری بعض کوتاہیاں	۵۳
۵۴	پیروں کی بے احتیاطی	۵۴
۵۵	بزرگوں کا طریقہ تعلیم	۵۵
۵۶	محقق اور غیر محقق کی تعلیم میں فرق	۵۵
۵۷	روک ٹوک عین عدل ہے	۵۶
۵۸	حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۵۷
۵۹	ترک تبلیغ کی وجہ	۵۷
۶۰	اختتام وعظ اور دعاء نم	۵۸

وعظ

التواصی بالصبر

تبلیغ اعمال کا اہتمام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''التواصی بالصبر'' چوہدری نصیر الدین صاحب کی درخواست پر انکے گھر مظفر نگر میں شب ۶ شوال ۱۳۴۱ھ کو کرسی پر تشریف فرما ہو کر دو گھنٹے 45 منٹ تک ارشاد فرمایا۔ سامعین میں 300 مرد اور خواتین اس کے علاوہ تھیں ایک روز قبل تبلیغ اصول پر بیان ہوا تھا۔ اس میں تبلیغ فروع کا طریقہ بتلایا گیا۔ محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرمایا ہر طبقہ کو مفید ہے خصوصا سالکین اور تصوف کی راہ پر گامزن لوگوں کے لئے بہت مفید ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو مستفید فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۶ فروری ۲۰۱۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿وَالۡعَصۡرِ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ﴾(۱)

تمہید

یہ وہی سورت ہے جس کی تلاوت شب گذشتہ میں کی گئی تھی اور اس کے متعلق ایک جزو کا بیان کیا گیا تھا۔ حاصل اُس کا یہ تھا کہ اس سورت میں تبلیغ و دعوت الی اللہ کی ضرورت ثابت کی گئی ہے۔ اور اس کے دو جزء ہیں ایک دعوت الی الحق (بمعنی العقائد) اور ایک دعوت الی الصبر (بمعنی الاعمال) اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ ہم ان دونوں میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک جزو یعنی دعوت الی الایمان اور تبلیغ عقائد کی طرف گذشتہ رات میں زیادہ روئے (۲)سخن تھا گو بیان مشترک ہی ہوا تھا مگر مقصود زیادہ تر یہی جزء تھا اور اسی کی تفصیل کی گئی تھی اس وقت

(۱) سورۃ العصر: ۱ تا ۳ (۲) زیادہ گفتگو ہوئی تھی۔

ایک جزو تفصیل سے رہ گیا تھا یعنی قصداً اُس کا بیان نہ ہوا تھا گو ضمناً(۱) اس کا بیان بھی کسی قدر ہوا تھا۔ اور وعدہ کیا گیا تھا کہ اگلی شب اگر خیریت رہی اور بیان کا موقع ملا تو دوسرے جزو کے متعلق قصداً بیان ہوگا سو یہ وقت ہے اس وعدہ کے ایفاء کا اس لئے اس وقت میں تبلیغ اعمال کے متعلق کچھ تفصیل کرنا چاہتا ہوں سنئے ہماری حالت یہ ہے کہ جیسا تبلیغ اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے ویسا ہم کو اس کا اہتمام نہیں ہے بلکہ اس میں بہت کوتاہی ہورہی ہے جیسا کہ دعوت الی الایمان اور تبلیغ عقائد میں کوتاہی ہورہی ہے۔ اور جیسا ایک امر مانع(۲) ہورہا ہے تبلیغ عقائد اور دعوت الی الایمان سے اسی طرح ایک امر مانع ہورہا ہے .... تبلیغ اعمال سے۔

تبلیغ سے مانع کیا ہے

اور وہ امر یہ ہے کہ ہم کو عادت ہوگئی ہے ترک دعوت الی الاعمال کی(۳) اور اس کے مانع ہونے سے یہ مطلب لیا جائے کہ یہ عادت عذر ہے کیونکہ جب میں اس کا لغو ہونا بیان کردوں گا تو اس سے عذر نہ ہونا معلوم ہوجائیگا اور اس کے یہ معنی نہیں کہ ترک دعوت الی الاعمال کے لئے کوئی عذر فی نفسہ بھی نہیں۔ اگر اعذار شرعیہ موجود ہوں اور ان کی تحقیق ہوجائے تو اس وقت ترک دعوت جائز ہے مگر اس وقت میں اُن اعذار شرعیہ کو بیان نہ کروں گا نہ بیان کی ضرورت ہے۔

اعذار شرعیہ کے بیان کا موقع کہاں ہے

کیونکہ کسی عمل کے متعلق بیان اعذار کی ضرورت جب ہو کہ ہم کو اُس عمل کا اہتمام ہو اور جہاں مخاطب کو عمل ہی کا اہتمام نہ ہو وہاں اعذار کو بیان نہ کیا جائے گا بلکہ اولاً اُس کو اہتمام عمل پر متوجہ کیا جائیگا جب وہ عمل کا اہتمام کرنے لگے اور عمل

(۱) ارادۃ اس کا بیان نہیں ہوا تھا اگر کچھ تھوڑا سا ذکر ہو بھی گیا تھا (۲) رکاوٹ (۳) اعمال کی دعوت کو ترک کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔

میں مشغول ہوجائیگا پھراس کو اعذار شرعیہ سے مطلع کیا جائیگا جیسے ایک شخص نمازی ہے نماز کو ضروری سمجھتا ہے اس کی پابندی بھی کرتا ہے وضو کو بھی ضروری سمجھتا ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ بیماری کی حالت میں بھی وضو کو ترک نہیں کرتا وہاں ضرورت ہے اعذار شرعیہ(۱) بتلانے کی کہ ان اعذار سے وضو ساقط ہوکر تیمّم جائز ہوجاتا ہے۔ تطہیر ثیاب(۲) معاف ہوکر ناپاک کپڑوں ہی سے نماز درست ہوجاتی ہے استقبال قبلہ(۳) معاف ہوکر جس طرح بھی نماز پڑھ سکے نماز صحیح ہے اور قیام پر قادر نہ ہوتو قعود سے اور قعود پر قدرت نہ ہوتو اضطجاع(۴) سے نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ایسے وقت میں بیان اعذار کی ضرورت کا راز یہ ہے کہ اگر ایسے شخص کو اعذار نہ بتلائے جائیں تو اس کو اعتقادی اور عملی تنگی پیش آئے گی۔ اعتقادی تنگی تو یہ ہوگی کہ اس کو ﴿لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾(۵) کے صدق میں وسوسہ اور شبہ(۶) ہوگا جو کہ زوال یا ضعف ایمان(۷) کا سبب ہے، اور عملی تنگی یہ پیش آئیگی کہ اگر اس کو تیمّم کا قاعدہ نہ بتلایا گیا تو وہ عذر کے وقت مجبور ہوکر وضو ترک کریگا اور چونکہ وضو کو شرط سمجھتا ہے اس لئے بے وضو نماز پڑھے گا نہیں، یہ عملی تنگی ہے۔ پس ایسے شخص کے سلامت ایمان اور سلامت اعمال کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اعذار شرعیہ کے احکام سے مطلع کیا جائے اس سے اُس کا ایمان تو سلامت رہیگا کہ اسکو لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے صدق میں وسوسہ نہ ہوگا۔ اور عمل یوں سلامت رہے گا کہ وہ کسی عذر کے وقت عمل کو فوت نہ کرے گا۔غرض بیان عذر کی ضرورت وہاں ہوگی جہاں مخاطب ضرورت عمل کا قائل ہو اعتقاداً بھی اور عملاً بھی پھر اس کو کسی موقعہ پر تنگی پیش آتی ہو۔

---

(۱) شرعی عذر (۲) کپڑوں کی پاکی (۳) قبلہ کی طرف منہ کرنا (۴) کھڑے ہونے پر قدرت نہ ہوتو بیٹھ کر اور بیٹھنے پر قدر نہ ہوتو لیٹ کر نماز درست ہے (۵) سورۃ :البقرۃ:۲۸۶ (۶) اس قول کی سچائی میں شبہ ہوگا (۷) ایمان کے زائل ہونے یا کمزور ہونے کا سبب ہوگا۔

جو عمل کا اہتمام نہ کرے اس کو اعذار نہ بتلائے جائیں

بخلاف اس کے جو ابھی عمل ہی کی ضرورت کا قائل نہیں وہ تو اعذار کو سن کر ترک عمل کا بہانہ ڈھونڈیں گے اور کھینچ تان کر اپنے کو معذوروں کی فہرست میں داخل کریں گے۔ پس اگر ہم یہ دیکھتے کہ ہم لوگ امر بالمعروف (۱) کا اہتمام پوری طرح کرتے ہیں تو اس وقت البتہ بیان احکام اعذار کا موقع تھا۔اور جب اس کا اہتمام ہی نہیں چنانچہ عملاً اہتمام نہ ہونا تو مشاہد ہے اور اعتقاداً بھی بعض لوگ اس کی ضرورت کو پوری طرح محسوس نہیں کرتے جیسا کہ قرائن احوال اس پر شاہد ہیں (۲) تو ایسی حالت میں تو اعذار کو سنکر ہر شخص ترک امر بالمعروف کا بہانہ ڈھونڈے گا اور کوئی بھی اپنے کو عذر سے خالی نہ سمجھے گا اور اس فریضہ کو اپنے اوپر سے بالکل ساقط (۳) کر دیگا حالانکہ ایسا کونسا عذر ہے جس سے فرض بالکل ہی ساقط ہو جائے۔ دیکھو نماز و وضو کے لئے بھی بعض عذر ہیں مگر وہ ایسے وسیع نہیں جن سے وضو اور نماز بالکل ہی ساقط اور معدوم ہو جائے مگر جس عمل کا اہتمام ہی قلب میں نہ ہو اس کے اعذار کو سن کر مخاطب عذر کے میدان کو اتنا وسیع کر لیتا ہے کہ فرض کو بالکل ہی ساقط کر دیتا ہے تو ایسے شخص کو اعذار سے ہنوز مطلع نہ کیا جائیگا اسی لئے میں نے رات بھی عذر کو بیان نہیں کیا بلکہ یہ عرض کیا تھا کہ حالتیں دو قسم کی ہیں ایک تو یہ کہ ہم کام کو اپنے ذمہ ضروری سمجھیں پھر عذر سے تنگی پیش آئے اور ایک حالت یہ ہے کہ کام ضروری ہی نہ سمجھے تو جن اعمال کو ہم اپنے ذمہ ضروری سمجھتے ہیں جیسے نماز وضو وغیرہ اُن میں عمل کو شروع کرنے کے بعد عذر سے سوال ہوتا ہے اور جن کو اپنے ذمہ ضروری نہیں سمجھتے اُن میں قبل از عمل ہی عذر سے سوال کیا جاتا ہے تو مجیب کو لازم ہے

(۱) اچھائی کا حکم (۲) جیسے کہ لوگوں کے حالات اس کے گواہ ہیں (۳) اس فرض کو چھوڑ دے گا۔

کہ پہلی صورت میں تو اعذار کو بیان کرے اور دوسری صورت میں بیان نہ کرے۔

دعوت و تبلیغ کے درجات

لہذا اسی اصل کے موافق میں اس وقت بھی اعذار کو بیان نہیں کرتا بلکہ تبلیغ اعمال کی ضرورت پر آپ کو متنبہ کرتا ہوں۔ رات میں نے تبلیغ ایمان یعنی دعوت الی العقائد سے مانع یہ بتلایا تھا کہ اس تبلیغ میں مبلغ مخاطب کو ایسے امور سے باز رکھنا چاہتا ہے جو اس کے زعم میں دین اور طاعات ہیں جس سے اس کو ناگواری ہوتی ہے اور اس ناگواری کے خیال سے مبلغ کھٹکتا اور تبلیغ سے رکتا ہے اس کا جواب میں نے یہ دیا تھا کہ اول تو عنوان تبلیغ کا ایسا ہونا چاہئے جس سے مخاطب کو ناگواری نہ ہو اور وہ عنوان قرآن ہی نے ہم کو بتلا دیا ہے کہ عقائد کو اخبار صادقہ کے عنوان سے بیان کرو اور جو شخص اس سے بھی ناگواری کرے تو اس کی پروا نہ کی جائے۔ نیز میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی ناگواری مخاطب کی وجہ سے تبلیغ عقائد کو مقدم کیا گیا اور تواصی بالعمل کو موخر کیا گیا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تبلیغ اعمال فی نفسہ مہتم بالشان نہیں کیونکہ اگر یہاں ایک وجہ اضافی قلت اہتمام کو مقتضی ہے تو دوسری وجہ شدت اہتمام کو بھی مقتضی ہے وہ یہ کہ بلاغت کا قاعدہ یہ ہے کہ کلام کو جس بات پر ختم کیا جاتا ہے وہ مہتم بالشان اور زیادہ مقصود ہوتی ہے چنانچہ اہل بلاغت اس کو خوب جانتے ہیں اسی لئے بلغاء کا قاعدہ ہے کہ وہ کلام کو اول و آخر میں زوردار کرتے ہیں کیونکہ ابتداء بھی مقصود سے کی جاتی ہے اور انتہا بھی مقصود پر ہوتی ہے۔ تو اب یہاں دو جزء ہیں جن میں ایک جزء کا اہتمام تقدیم سے ظاہر کیا گیا دوسرے جزء کا اہتمام ختم کلام پر واقع کرنے سے ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ جس چیز پر کلام ختم کیا جاتا ہے وہ مخاطب کے ذہن میں باقی رہ جاتی ہے اس لئے ختم کلام پر مقصود اہم ہی

کو بیان کیا جاتا ہے پس قرآن کی عجیب بلاغت ہے کہ اُس نے دونوں اجزاء کا مہتم بالشان ہونا دوطرز سے ظاہر کردیا ہے۔

سوال وجواب

رہا یہ سوال کہ دو چیزوں کا ایک درجہ میں مہتم بالشان ہونا تو بعید ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دونوں کوایک درجہ میں مہتم بالشان نہیں کہتے بلکہ تبلیغ عقائد کی اہمیت اس لئے ہے کہ وہ اصل ہیں اسی لئے اُن کی اہمیت کو تقدیم سے ظاہر کیا گیا (فان الاصل مقدم علی الفرع)(۱) اور اعمال کی اہمیت ایک اعتبار خاص سے ہے وہ اعتبار خاص یہ ہے کہ یہ حقیقت میں وجہ اول ہی سے ناشی ہے جولوگ عقائد کو اصل سمجھ کر مہتم بالشان سمجھتے ہیں وہ اعمال کو فرع سمجھ کر اُن کا اہتمام بالکل ترک کردیتے ہیں اور اتنا اہتمام بھی نہیں کرتے جتنا فرع کا ہونا چاہئے بس یہ لوگ عقائد ہی کو ضروری سمجھتے ہیں اعمال کو ضروری نہیں سمجھتے چنانچہ تعریف میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے عقائد بہت اچھے ہیں۔ اس تعریف کو کافی سمجھتے ہیں اور صحت عقائد کے بعد اسکے اعمال پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اسی لئے اعمال کے متعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی نہیں کرتے (۲) بلکہ غضب یہ ہے کہ اعمال کی کوتاہی کو منکر بھی نہیں سمجھتے (۳)۔ ہم نے مانا کہ عقائد کا اچھا ہونا بڑی بات ہے اور یہ بھی بجائے خود قابل مدح (۴) ہے مگر سوال یہ ہے کہ اعمال کو غیر ضروری کیوں سمجھا جاتا ہے اوران میں کوتاہی کرنے کو نقص (۵) کیوں نہیں سمجھا جاتا اگر آپ کہیں کہ اعمال فرع ہیں تو میں کہتا ہوں کیا فرع کے نقص سے شئے میں نقص نہیں آتا (۶)۔

(۱) کیونکہ اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے (۲) اچھے اعمال اختیار کرنے کا حکم اور برے افعال سے بچنے کا حکم نہیں دیتے (۳) ناپسندیدہ بھی نہیں سمجھتے (۴) عقائد کا درست ہونا بہت بڑی بات ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے یہ بھی قابل تعریف بات ہے (۵) عیب (۶) کسی کے اگر ہاتھ پیر نہ ہوں تو کیا اس میں عیب نہیں ہوگا۔

فرع کی عمدگی کی ضرورت

دیکھئے آپ ایک درخت امرود کا لگائیں جس کا بیج الہ آباد سے عمدہ امرودوں کا بڑے اہتمام سے انتخاب کر کے منگایا گیا تھا مگر آپ کے باغ میں آکر اس عمدہ بیج سے درخت تو بہت بڑا لگ گیا لیکن پھل ایک بھی نہ آیا تو کیا اس صورت میں آپ اپنے دوستوں کے سامنے خوش ہو ہو کر اس درخت کی یوں تعریف کریں گے کہ یہ بڑا قیمتی درخت ہے اس کا بیج بہت عمدہ الہ آباد کے نفیس امرودوں میں سے ہے یا افسوس کے ساتھ یوں کہیں گے کہ اس کا بیج بڑے اہتمام سے منگایا گیا تھا مگر افسوس اس نے پھل نہیں دیا اور اگر اتفاق سے پھل بھی آیا مگر الہ آباد جیسا شیریں نہ ہوا بلکہ معمولی امرودوں سے بھی بدتر نکلا تو اس صورت میں ہرگز آپ بیج کی تعریف کر کے اپنا جی خوش نہ کریں گے بلکہ سخت رنج وافسوس کے ساتھ یہ کہیں گے کہ بڑی مشقت سے میں نے اس کے لئے الہ آباد سے عمدہ بیج منگایا تھا مگر ساری محنت ضائع گئی پھل بالکل خراب نکلا۔ میرا مقصود اس مثال سے یہ ہے کہ آپ دنیوی امور میں محض اصل کی عمدگی کو مدح کے لئے کافی نہیں سمجھتے بلکہ اس کے ساتھ فرع کی عمدگی پر بھی نظر ہوتی ہے پھر دین کے معاملہ میں کیا وجہ ہے کہ صرف عقائد (واصول) کی عمدگی پر نظر کی جاتی ہے اور اسی کو مدح کے لئے کافی سمجھتے ہیں اعمال (وفروع) کی عمدگی پر کیوں نظر نہیں کی جاتی اور اس کے نقص سے افسوس کیوں نہیں کیا جاتا۔ اور اس افسوس کا اثر آپ میں کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔

اہمیت اعمال

دیکھئے اگر ایک شخص کا چہرہ حسین ہے مگر ہاتھ پیر بھدّے ہیں یا انگلیاں

مڑی ہوئی ہیں تو ہر چند کہ حسن میں چہرہ ہی کا حسن اصل ہے مگر یہ نہیں کہ ہاتھ پیر(جوفروع ہیں) کا اعتدال مطلوب نہ ہو گو اس سے آپ کو اتنی نفرت نہ ہوگی جتنی اُس شخص سے ہوتی ہے جس کا چہرہ بھی بدشکل ہے مگر ظاہر ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پیر اور انگلیاں بھی حسین ہوں اور چہرہ بھی حسین ہو اس کی طرف زیادہ میلان ہوگا۔ اور پہلے شخص کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے جب آپ یہ کہیں گے کہ چہرہ آنکھ ناک بڑی خوبصورت ہے ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے کہ مگر افسوس اس کا ہے، کہ اس کی انگلیاں مڑی ہوئی ہیں اگر یہ نقص نہ ہوتا تو بہت ہی حسین ہوتا۔ اب بتلائیے کہ اسی طرح حسن دین میں فساد فروع یعنی فساد اعمال کو آپ منکر کیوں نہیں سمجھتے اور ایسے شخص سے آپ کا دل کیونکر ملتا ہے جو فروع ایمان میں ناقص ہے اُس سے بلا تکلف دوستی کس طرح کی جاتی ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: (من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فمن لم يستطع فبلسانه فمن لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان) (او كماقال) کہ جو کوئی تم میں سے امر منکر کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے یا زبان سے یا دل سے یہ مقتضا ہے امر منکر کا شرعاً۔ پھر یہ کیا غضب ہے کہ ہم لوگ امر منکر کو دیکھ کر نہ ہاتھ سے روکتے ہیں، نہ زبان سے، نہ دل سے نفرت کی جاتی ہے۔ بلکہ اعمال میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ وہی بشاشت ہے وہی دوستی ہے جیسے کامل الایمان کے ساتھ ہوتی ہے، گویا آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے وکیل و مختار ہیں کہ جس چیز کو چاہیں معاف کر دیں اور جس منکر سے چاہیں قطع نظر کرلیں تو بات یہ ہے کہ لوگوں نے عقائد کی اہمیت کو سمجھنے میں غلطی کی ہے وہ یہ سمجھ گئے کہ اہمیت عقائد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد اصلاح اعمال کی ضرورت ہی نہیں اور یہ بالکل غلط ہے اس لئے اس اعتبار خاص سے اعمال زیادہ مہتم بالشان

ہو گئے اس واسطے یہاں کلام کو تواصی بالاعمال کے ذکر پر ختم کیا گیا تا کہ اس طرز خاص سے مخاطب کو معلوم ہو جائے کہ گو اعمال عقائد سے ذکر میں مؤخر ہیں مگر ختم کلام پر مذکور ہونے سے ان کی اہمیت بھی مطلوب ہے، اور وہ بھی متہم بالشان ہیں۔ سو یہ اتنی تو ضروری چیز ہے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اعمال کی طرف سے ہم بہت بے فکر ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ عقائد اصل ہیں اور اعمال فروع مگر میں بتلا چکا ہوں کہ فروع بھی مطلوب ہوتے ہیں اور ان کے انعدام یا نقصان سے اصل میں بھی نقصان آ جاتا ہے جیسا کہ اوپر مثالوں میں واضح کیا گیا۔

اہمیت اعمال کی دوسری دلیل

دوسرے نصوص قرآنیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد کی تعلیم سے تکمیل اعمال بھی مقصود ہے یعنی عقائد کی تعلیم اس لئے بھی کی گئی ہے کہ اُن سے اعمال میں کام لیا جائے۔ اس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾(١)

اس کے بعد فرماتے ہیں: ﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ﴾(٢) یہ مضمون تم کو اس لئے بتلایا گیا تا کہ تم کسی فوت شدہ چیز پر غم نہ کرو اور حاصل شدہ پر اتراؤ نہیں۔ یہ تعلیل ہے ماسبق کی جس کا تعلق اخبرنا کم بذلك مقدر سے ہے یعنی ہم نے تم کو اس مسئلہ کی تعلیم اس لئے کی تا کہ تم مغموم(٣) نہ ہو

(١) تم کو جو کچھ بھی مصیبت ارضی یا سماوی پہنچتی ہے وہ سب مقدر ہو چکی ہے قبل ازیں کہ مصیبت کو پیدا کریں (اور چونکہ خدا تعالیٰ کا علم کامل ہے اس لئے) بیشک یہ بات خدا کے لئے آسان ہے (کہ وہ ظہور سے پہلے مصائب وغیرہ کو مقدر کر دیں) سورۃ حدید: ٢٢ (٢) سورۃ حدید: ٢٣ (٣) غم زدہ۔

اور اتراؤ نہیں۔ اب غور کے قابل یہ امر ہے کہ لام غایت کے واسطے لایا جاتا ہے۔ اور اوپر مسئلہ تقدیر کا ذکر ہے تو اس کی علّت وغایت دوسری آیت میں بتلائی گئی ہے مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تم کو مسئلہ تقدیر اس لئے تعلیم کیا ہے کہ جب تم اس کے معتقد ہوگئے تو تم کو حزن وفرح نہ ہوگا۔ اور مسئلہ تقدیر کا یہ اثر مشاہد ہے جو لوگ تقدیر کے معتقد ہیں وہ مصائب وحوادث میں منکرین تقدیر سے زیادہ مستقل اور ثابت قدم رہتے ہیں تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر کا ثمرہ ایک عمل بھی ہے یعنی حصول تفویض وتوکل اور اس کا عمل ہونا ظاہر ہے پس عقائد ہر چند کہ خود بھی مقصود ہیں مگر اُن کو تکمیل عمل میں بھی بڑا دخل ہے اور یہ دخل مطلوب بھی ہے جیسا کہ آیت میں لکیلا تأسوا سے مستفاد (۱) ہوتا ہے اب اسی پر تمام عقائد کو قیاس کر لیجئے کہ مثلاً توحید کی تعلیم خود بھی مقصود ہے اور اس سے اعمال کی تکمیل بھی مقصود ہے کیونکہ جس شخص پر جس قدر توحید کا غلبہ ہوگا اتنا ہی اس کے اعمال مکمل ہونگے اس کی نماز دوسروں کی نماز سے اکمل اس کی زکوٰۃ وروزہ دوسروں کی زکوٰۃ وروزہ سے افضل ہوگی اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں:

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن (۲)

اور شیخ شیراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

موحد چہ برپا سے ریزی زرش　　چہ فولاد ہندی نہی برسرش (۳)
امید و ہراسش بناشد زکس　　ہمین ست بنیادِ توحید وبس (۴)

(۱) معلوم ہوتا ہے (۲) توحید کے قائل ہوکر مغرور نہ ہو اس لئے کہ دیکھنے میں تو توحید ایک لفظ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف اللہ ایک ہے کہہ کر فارغ ہوگئے (۳) موحد کے سر پر اگر تلوار بھی رکھدی جائے تو اس کے قدم نہیں ڈگمگائیں گے (۴) اللہ کے سواء کسی سے نہ امید رکھو نہ خوف زدہ ہو، توحید کی بس یہی بنیاد ہے۔

غرض موحد کامل کی یہ حالت ہوگی جو شیخ نے بیان فرمائی ہے جو ادنیٰ توحید والے کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

جملہ خبریہ سے مقصود انشاء ہے

تو عقائد گو بظاہر جملہ خبریہ ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان میں عرض کیا ہے مگر اُن سے مقصود جملہ انشائیہ ہیں اعتقادیہ بھی عملیہ بھی جیسا ابھی مذکور ہوا اس بناء پر اللہ واحد کا مطلب یہ ہے کہ اس اعتقاد کے ساتھ عمل میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ اللہ ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں پس اپنے عمل میں خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ بناؤ ورنہ ریا ہوجائیگی جو شرک اصغر ہے اور توحید کامل کے خلاف ہے اسی طرح عقلاً خدا کے سوا کسی سے طمع وخوف نہ رکھو کہ یہ بھی توحید کے خلاف ہے ہاں طبعی طمع و خوف کا مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تو اضطراراً بے اختیار ہوتا ہے جیسے سانپ کو دیکھ کر طبعاً ڈر جانا یا شیر سے ہیبت زدہ ہوجانا مگر عقلاً یہ مضمون ہر دم پیش نظر رہنا چاہئے کہ بدون مشیت الٰہی کے کوئی چیز نفع یا ضرر نہیں دے سکتی وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۱) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ۔ (۲)

گر گزندت رسد زخلق مرنج — کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج
از خداداں خلاف دشمن ودوست — کہ دِل ہر دو در تصرف اوست (۳)

اور یہ بڑا قیمتی مضمون ہے کہ جملہ خبریہ سے محض خبر مقصود نہیں ہوتی بلکہ کوئی انشاء مقصود ہوتی ہے اس کی ایک دوسری واضح مثال ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے ہم

(۱) سورۃ البقرہ:۱۰۲ (۲) سورۃ یونس:۱۰۷ (۳) اگر کسی مخلوق سے تکلیف پہنچے تو رنج نہ کرو کیونکہ مخلوق نہ راحت پہنچا سکتی ہے نہ نقصان دشمن کی دشمنی اور دوست کی دوستی کو اللہ کی طرف سے سمجھو کہ دونوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں۔

کو خبر دی ہے کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اس نزول کی نسبت اجمالی عقیدہ کافی ہے کیونکہ ہم کو نہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کنہ معلوم نہ صفات کی، نہ ذات کی، بس جو حضور نے فرمادیا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے، ہاں اس مقام پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اخبار متواترہ(۱) یا قرآن سے ثابت ہوں وہ تو قطعی ہیں دوسرے وہ جو اخبار آحاد صحیحہ (۲) سے ثابت ہوں وہ ظنی ہیں۔ قسم اول کا اعتقاد فرض اور ثانی کا واجب ہے، اول کا انکار کفر اور ثانی کا انکار فسق ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا اب غور کیجئے کہ حضور نے جو یہ خبر دی ہے اس سے آپ کا مقصود کیا ہے، کیا صرف یہی مقصود ہے کہ اس نزول کا اعتقاد رکھو یا کچھ اور بھی مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ مقصود یہ ہے کہ اس وقت کو ضائع نہ کرو، بلکہ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے نماز واستغفار میں مشغول ہونا چاہئے چنانچہ دوسری احادیث میں حضور نے اس کی خود تصریح فرمادی ہے قیام لیل اور تہجد کی آپ نے بہت ترغیب دی ہے اور اس کی فضیلت میں بیشمار احادیث ہیں اسی طرح دعائے نیم شبی (۳) کی فضیلت میں بکثرت احادیث ہیں۔ اور بلکہ خود ایک ایسی ہی حدیث کے اخیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نزول فرما کر مخلوق کو خطاب فرماتے ہیں: ھل من مسترزق فارزقه وھل من مستغفر فاغفر له او کما قال کیا کوئی رزق کا طالب ہے کہ میں اُس کو رزق دوں کیا کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ میں اس کو بخشدوں یہ صاف بتلارہا ہے کہ حضور کا اس سے ہم کو مطلع کرنا اسی لئے ہے تا کہ اس وقت میں ہم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگ لیا کریں۔

---

(۱) خبر متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو ہر زمانے میں نقل کرنے والے اتنے کثرت سے موجود ہوں کہ جن کو عقل جھوٹا تسلیم نہ کرے۔ اس قسم کی حدیث سے ثابت عقائد قطعی ہیں ان کا اعتقاد رکھنا فرض ہے (۲) خبر واحد وہ صحیح حدیث جو ایک دو صحابہ سے منقول ہو (۳) آدھی رات میں مانگی گئی دُعا۔

عقائد سے مقصود

پس اسی طرح تمام اخبار اعتقادیہ کو سمجھو کہ اُن سے اشارات بھی مقصود ہیں یہ مت سمجھو کہ عقائد سے صرف اعتقاد ہی مطلوب ہے بلکہ اُن سے تکمیل اعمال بھی مطلوب ہے کہ ان عقائد سے عمل میں کام لیا جائے، گویا بلفظ دیگر یوں کہئے کہ عقائد کو تکمیل اعمال کا آلہ بنایا گیا ہے اور عقائد کا تکمیل اعمال میں دخیل ہونا اس طرح ہے کہ مثلاً دو شخص فرض کیجئے جنہوں نے راستہ میں بادشاہ کو دیکھا جن میں ایک تو بادشاہ کو پہچانتا ہے ایک نہیں پہچانتا ظاہر ہے کہ بادشاہ کو دیکھنے کے بعد دونوں کی حالت میں بین (۱) فرق ہوگا جو شخص بادشاہ کو بادشاہ سمجھتا ہے، وہ تو فوراً آداب و تعظیم بجالائیگا اور پوری طرح خدمت واطاعت کے لئے آمادہ ہوجائیگا اور جو اس کو معمولی آدمی سمجھتا ہے وہ اس طرح آمادہ نہ ہوگا، پس شریعت نے جو عقائد ہم کو تعلیم کئے ہیں، اُن سے ایک تو مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اپنے دل میں جماؤ دوسرا مقصود یہ ہے کہ اس عظمت کے مقتضا سے عمل میں کام لو تو اب اعمال کو غیر مہتم بالشان سمجھنا کتنا بڑا غضب ہے، جنکا مقدمہ اور آلۂ تکمیل عقائد کو بنایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جس کے مقدمات اتنے معظم ہیں وہ خود کتنا معظم ہوگا گو من وجہ سہی۔

اہتمام عمل کی تیسری دلیل

دوسری بات یہ ہے کہ انسان دنیا میں پیدا ہوا ہے۔ ابتلاء وامتحان کے لئے جیسا کہ آیت وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (۲) اس پر دال ہے کیونکہ کلمات سے مراد احکام ہیں اس سے معلوم ہوا کہ احکام سے مقصود ابتلاء ہے۔ اور ابتلاء ہوتا ہے مخالفت نفس سے کیونکہ اس میں مشقت ہوتی ہے اور بدوں (۳) مشقت کے

(۱) واضح فرق ہوگا (۲) اور جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے آزمایا چند کلمات کے ذریعے (۳) بغیر۔

ابتلاء کا تحقق نہیں ہوسکتا معلوم ہوا کہ مقصود خلق انسان سے مجاہدہ و مشقت ہے چنانچہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے: ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ﴾ (۱) اب خود سمجھ لیجئے کہ مشقت عقائد میں زیادہ ہے یا اعمال میں۔ تو ظاہر ہے کہ عقائد میں کیا مشقت ہے کچھ بھی نہیں ہاں پہلی بار عقائد باطلہ کو ترک کرنے میں مشقت ہوتی ہے مگر یہ ابتدا میں تھوڑی دیر کے لئے ہوتی ہے یہ نہیں کہ ہر وقت ایک آرہ سا چلتا ہو اور اعمال میں ہر وقت مشقت ہے ہر دم دل پر آرہ سا چلتا ہے کہ اب یہ کرو، اب وہ کرو یہی ہے ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ﴾ کا مصداق۔ صاحبو! ایک مشاق نمازی کو بھی بیماری اور سفر میں اول ہی دن جیسی مشقت ہوتی ہے۔ بارش اور اندھری رات اور جاڑے سردی میں نماز کے لئے گھر سے نکلنا اور وضو کرنا سہل نہیں اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ نے اسباغ وضو علی المکارہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اندھیری میں نماز کے لئے آنے والوں کو بشارت سنائی ہے (کما فی الحدیث المشھور بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیمة) (۲)

عقیدہ اور عمل میں فرق

تیسری بات (جو دوسری بات ہی سے متفرع ہے) یہ ہے کہ عقائد کو ایک بار اختیار کر لینے کے بعد ابقاء کی حاجت تو ہے تجدید کی احتیاج نہیں مثلاً اللہ واحد ایک بار سمجھ لیا تو اب اس کے ابقاء کی ضرورت تو ہے کہ اس کے ضد کا اعتقاد نہ کیا جائے باقی یہ ضروری نہیں کہ روزانہ اس کے امثال کی تجدید کی جائے بخلاف اعمال کے کہ ان میں ہمیشہ تجدید کی ضرورت ہے ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے وقت۔ ایضاً کہہ دینا کافی نہیں بلکہ عملاً نماز کی تجدید لازم ہے ایسے ہی روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ

(۱) سورۃ البلد: ۴ (۲) اندھیری راتوں میں نماز کے لئے مسجد آنے والوں کو قیامت میں نور تام کی بشارت دیدو۔

ہے گو نماز روزہ کے سب افراد متماثل ہیں(۱) مگر متحد تو نہیں ہیں بلکہ ہر فرد کا وجود مستقل ہے۔ اور اللہ واحد کہنے کے بعد اس کی ضرورت تو ہے کہ اس کے خلاف کا عقیدہ نہ ہو مگر تجدید لازم نہیں گو افضل ضرور ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ جددوا ایمانکم بقول لا آله الا الله (۲) مگر یہ فرض نہیں چنانچہ اگر کسی شخص کو دن بھر اللہ واحدہ(۳) کا تصور نہ آوے مگر اس کے خلاف کا بھی احتمال نہ آئے تو یہ گنہگار نہ ہوگا۔ بس اللہ واحد کے تصور کی ضرورت صرف اول بار تھی جبکہ اس کے ذہن میں شرک کا عقیدہ تھا یا شرک اور توحید دونوں سے خالی الذہن تھا۔ اس کے بعد نہ اسکا تصور فرض نہ تجدید لسانی فرض ہاں افضل و مستحب ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ایک بار اعتقاد کرلیا ہو تو پھر اگر ساری عمر بھی اس کا استحضار نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ نماز بھی نہ پڑھے جس میں اشهد ان محمدا عبده ورسوله(۴) ہر قعدہ میں آتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز کے اجزاء کو سمجھ کر نہ پڑھے جیسا کہ عموماً نمازیوں کی حالت ہے اور ظاہر ہے کہ بے سمجھے نماز پڑھنے سے استحضار مضمون رسالت نہیں ہوگا تو اہل فتویٰ کا اتفاق ہے کہ یہ شخص گنہگار نہیں گو برکات عظیمہ سے محروم ضرور ہے سو یہ اور بات ہے۔ بخلاف نماز کے کہ اس کی تجدید رات دن میں پانچ دفعہ فرض ہے خواہ سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے۔ ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ مجاہدۂ نفس عمل میں زیادہ ہے عقائد میں اتنا مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ ہی مقصود ہے انسان کی پیدائش سے تو جس کو اس مقصود میں زیادہ دخل ہوگا وہ اہمیت سے خالی نہیں ہوسکتا پس یہ وجوہ ہیں اہمیت اعمال کے۔

(۱) ملتے جلتے (۲) لا الہ الا اللہ کے ذریعہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو (۳) اللہ ایک ہے (۴) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ کہ بعض وجوہ سے عقائد زیادہ مہتم بالشان ہیں مثلاً اس وجہ سے کہ وہ اصل ہے اور صحت اعمال موقوف ہے عقائد پر بدون صحت عقیدہ کے عمل ضائع وبرباد ہے(۱) اور صحت عقائد وجود عمل پر موقوف نہیں اور بعض وجوہ سے عمل زیادہ مہتم بالشان ہے اور یہ ضرور ہے کہ اہمیت عقائد کے وجوہ زیادہ قوی ہیں مگر میں نے اس وقت اہمیت اعمال پر زیادہ زور اس لئے دیا ہے کہ ہم لوگوں کو انکی اہمیت سے بالکل غفلت ہے ہم ان کو بالکل ضروری نہیں سمجھتے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اعمال میں بھی وجوہ اہمیت موجود ہیں تو یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم ان کے ساتھ اہتمام کا برتاؤ نہ کریں میں آج کل عام طور پر اپنی جماعت کا حال دیکھ رہا ہوں کہ وہ کسی کے عقائد اچھے دیکھ کر پھر اس کی عملی کوتاہی پر اصلاً نظر نہیں کرتے نہ اُس کے اعمال سے نفرت ظاہر کرتے ہیں، نہ دل سے کراہت و انکار کرتے ہیں اور یہ حالت خطرناک ہے، حدیث میں اس حالت پر وعید وارد ہے۔ یہ مضمون اہتمام عمل کا کل رات بیان نہ ہوا تھا۔ الحمدللہ کہ یہ آج بیان ہوگیا۔

تبلیغ کرنے میں کوتاہی

اب رہ گئی یہ بات کہ ہم اصلاح اعمال وتبلیغ احکام عملیہ میں کیا کوتاہی کررہے ہیں، سو یہ کوئی طویل یا غامض مضمون نہیں۔ جب لوگ اعمال کی ضرورت اور اہمیت ہی سے غافل ہیں تو ان کی اصلاح وتبلیغ سے غفلت بھی ظاہر ہے چنانچہ حالت ہماری یہ ہے کہ ہفتے کے ہفتے گذر جاتے ہیں کہ ہم کسی کو افعل کذا ولا تفعل (۲) کذا کبھی نہیں کہتے۔ اور یہ کوتاہی اصلاح اعمال وتبلیغ احکام عملیہ میں

(۱) اگر عقیدہ صحیح نہ ہو تو عمل ضائع ہوجائے گا (۲) یہ کرو یہ نہ کرو۔

اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ جن پر قدرت نہیں ہے اُن کی تبلیغ کا تو کیا اہتمام ہوتا جن پر قدرت بھی ہے وہاں بھی اس کا استعمال نہیں اور جن پر قدرت ہے وہ یہ لوگ ہیں۔ بیوی، بچے، نوکر، مرید، شاگرد، اور جن پر قدرت نہیں وہ یہ لوگ ہیں دوست احباب، بھائی، برادری، عزیز، قریب اور اجنبی لوگ۔ پھر جن پر قدرت نہیں اُن میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جن کو تبلیغ کرنے میں ضرر کا اندیشہ ہے(۱) جیسے دشمن اور مخالف۔ اور بعض وہ ہیں جہاں ضرر کا کچھ اندیشہ نہیں صرف ناگواری کا خطرہ ہے اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی ہیں، چنانچہ دوست احباب بھائی اور عزیز سے ضرر جسمانی یا مالی کا کوئی خطرہ نہیں۔ بس اُن کی تبلیغ سے محض اس واسطے پہلو تہی کی جاتی ہے کہ ان کو ہماری روک ٹوک ناگوار ہوگی۔ سو اس کا علاج یہ ہے کہ نصیحت کا عنوان ایسا اختیار کرو، جس سے ناگواری نہ ہو اور اس پر بھی کسی کو ناگواری ہو تو اس کی پروانہ کرنا چاہئے مسلمان کا تو یہ مذاق ہونا چاہئے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد — فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد(۲)

اور جب وہ لوگ بھی جن کو بظاہر قدرت سے خارج سمجھا جاتا ہے زیادہ تر محل تبلیغ ہیں اور اُن کی ترک تبلیغ میں بھی ہم معذور نہیں۔

ماتحتوں کو تبلیغ کرنے میں کوتاہی

تو بتلائیے جو لوگ ضابطہ سے ہمارے ماتحت ہیں اور ظاہر میں ان کی تبلیغ ہماری قدرت میں داخل ہے وہاں ترک تبلیغ سے ہم کیونکر معتوب و ماخوذ نہ ہوں گے(۳) مگر حیرت ہے کہ ہم موقع قدرت میں بھی تبلیغ و نصیحت سے طرح دے(۴) جاتے ہیں

(۱) نقصان کا اندیشہ ہے (۲) میں ان ہزاروں رشتہ داروں کے مقابلہ میں جو خدا سے بے گانہ ہوں اس ایک اجنبی پر فداء و قربان ہوں جو خدا سے آشنا ہے۔ (۳) ہم پر اللہ کی طرف سے عتاب اور مواخذہ کیوں نہیں ہوگا (۴) جہاں تبلیغ کرنے کی قدرت ہوتی ہے ہم وہاں بھی پہلو بچا جاتے ہیں۔

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جن پر قدرت ہے وہ بھی دو قسم کے ہیں، ایک وہ جنہوں نے التزام اطاعت کا ہم سے معاہدہ نہیں کیا۔ جیسے بیوی بچے کہ گو شرعاً ان پر ہماری اطاعت واجب ہے، مگر انہوں نے صراحۃً اس کا التزام نہیں کیا کہ تم ہم کو تبلیغ کرو ہم تمہاری تعلیم پر عمل کریں گے۔

پیری مریدی کی حقیقت

مگر ایک تعلق ایسا ہے جس میں دوسرا شخص معاہدہ صریحہ سے ہماری اطاعت کا التزام کرتا ہے اور وہ تعلق پیری مریدی کا ہے۔ کیونکہ پیری مریدی نام ہی ہے معاہدہ اطاعت من جانب المرید ومعاہدۂ تعلیم واصلاح من جانب الشیخ کا[۱] صرف ہاتھ میں ہاتھ لیکر سبق سا پڑھ دینے کا نام پیری مریدی نہیں جیسا کہ آج کل عام طور سے اس میں غلطی ہو رہی ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کو بیعت سمجھتے ہیں اور تعلیم واتباع کو ضروری نہیں سمجھتے اس لئے مجھے اس میں کلام ہے کہ آج کل کسی طالب بیعت کو چپکے سے جلد بیعت کر لینا جائز بھی ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں تقریر ہے اُس کی غلطی کی (۲)۔ اس طرح بیعت کر لینے سے وہ یہی سمجھے گا کہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ہی بیعت کی حقیقت ہے نیز آج کل یہ بھی عام لوگوں کا عقیدہ ہے کہ بدون بیعت (۳) کے نفع نہیں ہوتا گویا لوگوں نے اصل مقصود کو اس فرع کے تابع کر دیا ہے، میرے نزدیک ان غلطیوں پر تنبیہ لازم ہے اور اس کی ضرورت ہے کہ طالب کو اولاً اس پر متنبہ کیا جائے کہ بیعت (یعنی ہاتھ میں ہاتھ دینا) نہ مقصود ہے نہ کسی مقصود کا موقوف علیہ ہے صرف رسم مشائخ ہے[۴] اور حقیقت

(۱) مرید یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں تمہاری اطاعت کروں گا پیر کہتا ہے کہ میں تمہاری اصلاح کروں گا یہ ہے حقیقت پیری مریدی کی (۲) اس میں اس کی غلطی کی تائید ہو رہی ہے کہ اصلاح کے لئے صرف ہاتھ میں ہاتھ دینا ہی کافی ہے (۳) بغیر بیعت ہوئے فائدہ نہیں ہوتا (۴) صرف بزرگوں کا ایک طریقہ ہے۔

بیعت کی یہ ہے کہ مرید کی طرف سے اتباع کا التزام ہو اور شیخ کی طرف سے تعلیم کا التزام [1] ہو اگر دو شخصوں میں ایسا معاہدہ ہو جائے خواہ قولاً یا حالاً کیونکہ معاہدہ کبھی حالیہ بھی ہوتا ہے تو بس بیعت کا تحقق ہو گیا، خلاصہ یہ ہے کہ بیعت کی حقیقت التزام ہے یعنی شیخ اور طالب دونوں ایک امر کا التزام [2] کرتے ہیں طالب اطاعت و اتباع کا۔ شیخ تعلیم و اصلاح کا۔

مریدین کو تبلیغ کرنے میں کوتاہی

اب میری شکایت کا حاصل یہ ہے کہ جہاں صریح التزام معاہدہ ہے اطاعت کا غضب کی بات ہے کہ وہاں بھی آج کل تبلیغ نہیں کی جاتی اور اگر بیعت کو صریح التزام نہیں مانتے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ مرید کی جانب عملاً دونوں اس کو لازم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مرید اگر پیر کی کسی بات کو نہ مانے تو اُس پر عتاب کیا جاتا ہے اور دربار سے نکال دیا جاتا ہے یہ عمل خود بتلا رہا ہے کہ آپ بیعت کو صریح التزام سمجھتے ہیں مگر یہ بے انصافی ہے کہ ایک جانب التزام مانا جاوے دوسری جانب نہ مانا جاوے ایک جانب تو یہ شدت ہے کہ اگر مرید خدمت سے انکار کردے یا کسی دنیوی کام میں شیخ کی مخالفت کرے تو فوراً معتوب ہو جاتا ہے اور دین کے معاملہ میں نہ شیخ اُس کو کچھ کہتے ہیں نہ وہ اس میں شیخ کی اطاعت کو اپنے ذمہ لازم سمجھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب مرید صراحۃً آپ کی اطاعت کا التزام کر چکا ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اب بھی شیوخ مریدین کی دینی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ صاحبو! تبلیغ سے ایک تو مانع عدم قدرت تھا [3] اور ایک مانع عدم التزام [4] تھا گو عدم التزام واقع میں مانع نہیں بلکہ قدرت کے بعد تبلیغ واجب ہے گو

(۱) مرید اتباع کو ضروری سمجھے شیخ تعلیم کو (۲) دونوں ایک ایک کام اپنے ذمہ لازم کر لیتے ہیں (۳) ایک رکاوٹ تو قدرت نہ ہونا تھی (۴) دوسرا مانع التزام نہ کرنا تھا۔

دوسرے نے صراحۃً التزام نہ کیا ہو۔

مرید کو تبلیغ نہ کرنا وعدہ خلافی ہے

مگر میں آپ کی خاطر سے تھوڑی دیر کے لئے عدم التزام کو بھی مانع مان کر کہتا ہوں کہ جہاں قدرت بھی ہے اور التزام بھی ہے وہاں حضرت شیخ کیسے خاموش ہیں، جس میں ترک تبلیغ کے گناہ کے ساتھ وعدہ خلافی کا گناہ بھی شامل ہے کیونکہ جس طرح مرید نے اطاعت کا وعدہ کیا ہے ایسے ہی شیخ بھی تو اصلاح کا وعدہ کئے ہوئے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ مقتضی موجود ہے اور موانع سب مرتفع ہیں پھر بھی پیر صاحب مریدوں کے افعال پر خاموش ہیں کچھ روک ٹوک نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ شیوخ پیری مریدی کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ یا عمداً جان بوجھ کر پہلو تہی کرتے ہیں۔

پیری مریدی کے متعلق عوام کی غلطی

بس آج کل تو پیری مریدی کی حقیقت لوگوں نے یہ سمجھ رکھی ہے کہ پیر صاحب قیامت میں بخشوالیں گے، لوگوں نے رسم بیعت کو مغفرت کا سبب سمجھ رکھا ہے، گو اس کے بعد کتنے ہی گناہ کرلیں۔ چنانچہ اس کے متعلق کچھ الہامات اور مکشوفات یاد کرلئے ہیں کہ فلاں بزرگ سے منقول ہے کہ اُن کو الہام ہوا تھا کہ ہم تمہارے سب سلسلہ والوں کو بخشدیں گے، یہ تو وہ ہیں جو دوسروں سے اسلم ہیں، ورنہ بعضے اس سے بھی گرے ہوئے ہیں، اُن کا خیال یہ ہے کہ بیعت اس واسطے ضروری ہے کہ اس سے ہمارے سر پر ایک بزرگ کا سایہ ہوجائیگا تو دنیوی مقاصد میں ہم کو سہولت ہوگی۔ مقدمات میں دُعا اور تعویذ گنڈے کرالیں گے اور بیعت سے ہماری تنخواہ میں ترقی ہوجائے گی، چنانچہ بعض لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے

سلسلہ میں ڈپٹی کلکٹر سے اس طرف کوئی رہتا ہی نہیں۔ان کا مقصود بیعت سے محض دنیا ہے اوران کے نزدیک دین سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ یہ تو مریدوں کے خیالات تھے۔

جاہل پیروں کی غلطی

اب پیروں کی سنئے۔ ان کے نزدیک بیعت سے مقصود یہ ہے کہ مریدوں کے ذمہ ان کی ششماہی یا سالانہ مقرر ہوجائے گا(۱) جیسے چار فصلوں میں کمینوں کا فصلانہ مقرر ہوتا ہے۔(۲) پھر پیر صاحب کا کام کیا ہے جس کے عوض یہ فصلانہ دیا جاتا ہے۔ انکا کام وہ ہے جو بھنگی کرتا ہے۔ بھنگی نجاست ظاہرہ کا حامل ہے(۳) اور پیر صاحب فصلانہ لیکر گناہوں کی نجاست کے حامل ہیں(۴)۔ چنانچہ بعض دیہات میں پیر کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو کمینوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ایک چودھری کے یہاں فصل پر اناج تیار ہوا اور گھر والے چاروں کمینوں کا فصلانہ نکالنے لگے تو چودھری کہتا ہے کہ اس سوہرے پیر کا بھی تو حق نکال دو وہ بھی تو اپنا حق مانگنے آویگا۔ واقعی یہ عجیب راحت وآرام کا پیشہ ہے کہ پیر صاحب گئے اور فصلانہ لے آئے اور سال بھر آرام سے اپنے گھر بیٹھے رہے۔ اور پیشہ والے اگر فرض منصبی کو انجام نہ دیں تو تنخواہ بند ہوجاتی ہے، مگر پیر کی تنخواہ بند ہی نہیں ہوتی۔ اور خواہ کچھ ہی کرلیں ان کی پیری بھی منسوخ نہیں ہوتی چاہے، شراب پی لیں یا بدمعاشی کرلیں، کیونکہ مشہور ہے کہ پیر کی پیری سے کام اُس کے فعلوں سے کیا کام۔ اگر پیر صاحب ڈھنگ کی باتیں بولیں تو حقائق ومعارف ہیں اور بے ڈھنگی بے تکی ہانکیں تو رموز ہیں اور خاموش رہیں تو مراقب اور چپ شاہ ہیں ان کی ہر حالت میں جیت ہے۔

(۱) ہر تیسرے یا چھٹے مہینہ پیر کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا لازم ہوجائے گا (۲) جیسے جب بھی کوئی فصل اترتی ہے تو چھوٹے ملازمین کا حصہ بھی اس فصل میں لگادیا جاتا ہے (۳) بھنگی ظاہری نجاست اٹھاتا ہے (۴) گناہوں کی نجاست اٹھانے والے ہوتے ہیں۔

پیروں کے ساتھ لوگوں کا برتاؤ

افسوس آج کل پیروں کے ساتھ وہی معاملہ ہو رہا ہے جو یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار ور ہبان کے ساتھ کر رکھا تھا ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (۱) کہ خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب بنتے تھے (نعوذ باللّٰہ استغفر اللّٰہ) ان کو سب کچھ معاف ہے جو چاہیں کریں اس طریقہ میں عمل کی ضرورت ہی نہیں، عمل سے کچھ سروکار ہی نہیں۔ یاد رکھو کہ ایسی پیری مریدی کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں یہ سراسر بے دینی ہے۔

بیعت ہونے کے بعد بھی عملی کوتاہی

اور خیر بعضے ایسے تو نہیں ہیں بلکہ بیعت کے بعد عمل کی بھی ضرورت سمجھتے ہیں مگر کونسے اعمال کی فرائض وواجبات کی نہیں بلکہ وظائف واوراد کی ضرورت سمجھتے ہیں کچھ وظیفے پیر سے معلوم کر لئے ہیں ان میں کبھی ناغہ نہیں ہونا چاہیے، فرائض ناغہ ہو جائیں۔ نماز کی پروا نہیں کہ وقت پر ہوتی ہے یا بے وقت معاملات سر سے پیر تک گندے ہیں، سود لیتے ہیں اور دیتے ہیں، رشوت کا بازار گرم ہے اور اس کے ساتھ تہجد کے پابند ہیں، اشراق کے پابند ہیں، تسبیح بہت لمبی ہے جو ہر وقت چلتی رہتی ہے اور پیر صاحب بھی ان مریدوں کی سود کی آمدنی سے ہدایا لیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی قسم کے ایک شخص نے خود مجھ سے فخراً کہا کہ نماز تو چاہے قضا ہو جائے، مگر پیر نے جو وظیفہ بتلا دیا ہے وہ کبھی قضا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ جب قضا آئے گی (۲) اس وقت اس کا نتیجہ معلوم ہوگا کہ نماز زیادہ ضروری تھی یا وظیفہ۔ اور ان میں بھی اسلم وہ ہیں وظیفے ثواب کے لئے پڑھتے ہیں۔ ورنہ اکثر تو دنیا ہی کے واسطے

---

(۱) سورۃ المائدہ: ۱۸ (۲) جب مرو گے تو پتہ لگے گا۔

پڑھتے ہیں ۔ چنانچہ کوئی قصیدہ غوثیہ کا ورد کرتا ہے، کوئی حزب البحر کا۔ اگر ان کو ثواب مطلوب ہوتا تو ادعیہ ماثورہ میں ان سے زیادہ ثواب ہے، مگر دنیا مطلوب ہے اس لئے ادعیہ ماثورہ سے دلچسپی نہیں بلکہ اس قسم کے وظائف سے دلچسپی ہے جن سے دنیوی منافع بھی حاصل ہوتے ہیں۔

اکثر سالکین کیفیات کے طالب ہیں

ان سے بڑھ کر ایک طبقہ اور ہے جو صوفیہ کہلاتے ہیں، وہ اس لئے بیعت ہوتے ہیں تاکہ کیفیات اور کشف وکرامت حاصل ہوجائیں، یہ لوگ کیفیات کو مقصود سمجھے ہوئے ہیں اس کے لئے ترک لذات (۱) کرتے ہیں، نیند کم کرتے ہیں، غذا کم کرتے ہیں اور اس کا نام رکھا ہے مجاہدہ وریاضت۔

حقیقت مجاہدہ وریاضت

حالانکہ مجاہدہ کی حقیقت ہے مخالفت نفس فی المعاصی۔ روٹی کھانے یا ٹھنڈا پانی پینے میں نفس کی مخالفت کرنا مجاہدہ نہیں۔ بلکہ مجاہدہ یہ ہے کہ نفس نے مثلاً تقاضا کیا کسی امرد (۲) یا عورت کے دیکھنے کا یا گانا سننے کا یا کسی کی غیبت کرنے کا اس میں نفس کی مخالفت کی، اسی طرح تمام معاصی میں غور کرو۔ مگر یہ صوفی جو مجاہدہ کے مدعی ہیں، ان مواقع پر نفس کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ بہت سے لڑکوں اور عورتوں کے گھورنے میں مشغول ہیں اور غضب یہ کہ گناہ کرکے تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ہم تو صنعت حق کا مشاہدہ (۳) کرتے ہیں، مولانا محمد مظہر صاحب سہارنپوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے ہی مسخرہ کو خوب جواب دیا تھا کہ اپنی ماں کی شرمگاہ میں جاکر صنعت حق کو

(۱) لذیذ چیز کھانا چھوڑ دیتے ہیں (۲) نابالغ لڑکے کو یا عورت کو (۳) اللہ کی بناوٹ کا۔

دیکھ کہ ایسی ذراسی تنگ جگہ سے تو اتنا بڑا آدمی پیدا ہوگیا۔ غرض ان لوگوں نے مجاہدہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھی اور ریاضت کے معنی اصل لغت میں سدھانے کے ہیں کیونکہ یہ ماخوذ ہے روض الدابہ سے جس کے معنی ہیں گھوڑے وغیرہ کو سدھانا۔ اور اصطلاح میں ریاضت کے معنی ہیں تحصیل اخلاق حمیدہ وازالۂ اخلاق ذمیمہ۔ (۱) پس مجاہدہ تو یہ ہے کہ شہوت وغضب وغیرہ کا جب تقاضا ہو تو اس تقاضے کو روکا جائے اور ریاضت یہ ہے کہ اس تقاضے کے منشا کو زائل کر کے اُس کے بجائے خلق حسن اور ملکۂ فاضلہ پیدا کیا جائے۔ کیونکہ جتنے معاصی ہیں سب کے مناشی اخلاق ہیں اور ریاضت اسی مرتبہ خلق کے ازالہ کا نام ہے۔

مجاہدہ سے ازالۂ رزائل نہیں ہوتا بلکہ مضمحل ہوجاتا ہے

اور زائل کرنے سے مطلب یہ ہے کہ منشا مضمحل وضعیف ہوجائے، کیونکہ اخلاق رذیلہ کا ازالہ ممکن نہیں یہ سب رزائل فطری ہیں اور حدیث میں ہے :اذا سمعتم بحبل زال عن مکانہ فصد قوہ واذا سمعتم برجل زال عن جبلتہ فلا تصدقوہ (۲) اوران رزائل کے فطری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کو بھی غصہ آتا ہے اور محققین کا قول ہے کہ غضب کبر سے پیدا ہوتا ہے پھر غضب سے غیبت پیدا ہوتی ہے، جب بچوں میں غصہ ہے تو معلوم ہوا کہ ان میں تکبر بھی ہے تو بچوں کے اندر ان امور کے ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ امور فطریہ ہیں اور امور فطریہ کا ازالہ کلیۃً نہیں ہوسکتا تو جو سالک ان کو بالکل زائل کرنا چاہے وہ اس کا مصداق ہے:

---

(۱) اچھے اخلاق اختیار کرنا اور برے اخلاق سے احتراز کرنا (۲) جب تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے کھسک گیا ہے تو اس بات کی تصدیق کر دینا لیکن اگر یہ سنو کہ فلاں شخص کی جبلت وفطرۃ بدل گئی تو اس کی تصدیق نہ کرنا۔

دماغ بیدہ پخت وخیال باطل لیست

اور یہ میں نے اس لئے ظاہر کردیا کہ سالکین اس حقیقت کے نہ جاننے سے بہت پریشان ہوتے ہیں، بعض دفعہ مجاہدہ کرکے سالک یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھ سے کبر زائل ہوگیا اس کے بعد کسی موقع پر وہ پھرا ابھرا تو یہ شکستہ دل ہوجاتا ہے اور ہمت پست ہوجاتی ہے کہ افسوس ساری محنت ہی برباد گئی مجاہدہ ضائع ہوگیا یہ بلا تو ہنوز (۱) موجود ہے پھر اس غم میں بعض تو خودکشی کرلیتے ہیں، یعنی بعضوں نے جان دیدی اور بعض نے اپنے کو طریق سے الگ کرلیا کہ اس راہ میں تو کامیابی دشوار ہے ممکن ہی نہیں اس واسطے میں کہتا ہوں کہ زوال سے مقصود اضمحال ہے اور اضمحال کے معنی یہ ہیں کہ بعد مجاہدہ کے ان اخلاق رزیلہ کی مقاومت میں پہلی جیسی مشقت نہیں ہوتی، ورنہ یاد رکھو کہ مجاہدہ سے نہ حریص کی حرص زائل ہوتی ہے۔ نہ بخیل کا بخل نہ متکبر کا تکبر ہاں اضمحلال ہوجاتا ہے، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ ان کے مقتضا پر عمل نہ ہو، کیونکہ عمل اختیاری ہے پس مقتضائے رزیلہ پر عمل نہ کرنا یہی بڑی کامیابی ہے اور مجاہدہ وریاضت سے یہی سہل وآسان ہوجاتا ہے۔ غرض اس تقریر سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ایک درجہ تو ہے تقاضائے معصیت کا، اس کی مخالفت کرنا تو مجاہدہ ہے، اور ایک اس تقاضے کا منشا ہے خلق رذیل، اُس کے ازالہ بمعنی اضمحلال کو ریاضت کہتے ہیں۔

ترک طعام ومنام مجاہدہ نہیں بلکہ مقدمہ مجاہدہ ہے

یہ تو ان کی حقیقت ہے جس میں ترک اکل وشرب (۲) کو کوئی دخل نہیں یہ اور بات ہے کہ اس حقیقت کی تحصیل میں ترک اکل وشرب وغیرہ سے سہولت

(۱) یہ مصیبت اسی طرح موجود ہے (۲) کھانا پینا ترک کرنے کو کوئی دخل نہیں

ہو جاتی ہے تو وہ مقدمہ ہوا مگر یہ کیا غضب ہے کہ مقدمہ کو مقصود بنا لیا گیا کہ اصل مجاہدہ کا تو پتہ نہیں نہ امردوں (۱) کا گھورنا چھوڑیں نہ عورتوں کا دیکھنا اور کھانا پینا سونا کم کر کے مجاہد بن گئے۔ یہ تو جہلاء صوفیہ کا حال ہے اور جو ذرا لکھے پڑھے ہیں، وہ ترک معاصی کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

احوال و کیفیات کو مقصود سمجھنا غلطی ہے

مگر وہ اس مرض میں گرفتار ہیں کہ احوال و کیفیات کو مقصود و مطلوب سمجھے ہوئے ہیں۔ کسی سے انہوں نے سن لیا تھا۔ المجاهدة مفتاح المشاهدة بس یہ لفظ تو یاد کر لیا مگر تفسیر کسی محقق سے دریافت نہ کی بلکہ اپنی رائے سے معنی گڑھے۔ مجاہدہ کے معنی تو مرنا کھپنا لئے کہ کھانا بھی چھوڑ دے اور پینا بھی اور مشاہدہ کی یہ تفسیر کی کہ اللہ کی طرف سے خود بخود بدون ارادہ کے لَو لگی رہے ذوق شوق ہو، کشف ہو، یکسوئی ہو، استغراق ہو، بس وہ اسی کے واسطے ساری کوشش کرتے ہیں اگر کوئی اثر ظاہر ہو گیا کہ تھوڑی دیر کو وساوس کم ہو گئے شوق و ذوق پیدا ہو گیا تو خوش ہو گئے کہ بس ہم کامیاب ہیں اور اگر کبھی ایسا نہ ہو تو اب پریشانی میں مبتلا ہیں شیخ سے شکایتیں کرتے ہیں کہ مجھے تو ذکر سے نفع نہیں ہوتا وساوس بند نہیں ہوتے شوق و ذوق پیدا نہیں ہوتا۔

اناڑی پیروں کا غلط طریقہ علاج

شیخ اگر اناڑی ہے تو وہ ہر شکایت پر دلجمعی کے لئے ایک وظیفہ اضافہ کر کے مرید کو مجموعۃ الوظائف بنا دے گا، جیسے علی حزیں شاعر نے اپنے ہمسایہ کو تذکرۃ الاولیاء بنایا تھا۔ قصہ یوں ہے کہ علی حزین جب دہلی آیا تو اُس کے لئے ایک

(۱) نابالغ بچوں کو۔

محل بہت عمدہ تجویز کیا گیا، وہ اس میں رہنے لگا اس کے دہلیز میں ایک مداری فقیر رہتا تھا، وہ رات کو ایک لمبا شجرہ پڑھا کرتا تھا، چند روز میں مالک مکان علی حزین کی مزاج پرسی کے لئے آئے کہ اگر کسی قسم کی تکلیف ہوئی ہو تو ظاہر فرمایا جائے تا کہ اس کا بندوبست کیا جائے علی حزیں نے کہا اور تو کچھ تکلیف نہیں مگر اس تذکرۃ الاولیاء کو کہیں اور کسی جگہ بسادو۔ راتوں کا سونا ظالم نے تنگ کر دیا ہے، اس کا شجرہ ختم ہی نہیں ہوتا۔ تو جیسے علی حزیں نے اس فقیر کو تذکرۃ الاولیاء بنایا تھا ایسا ہی میں کہتا ہوں کہ اناڑی شیخ اپنے مریدوں کو مجموعۃ الوظائف بنا دیتا ہے۔

بے تکے وظائف

پھر بعضے تو ایسے وظائف بتلاتے ہیں جو شرع کے موافق ہیں اور بعضے تو بہت ہی بے تکے وظائف بتلاتے ہیں، جو خلاف شرع ہیں۔ جیسے یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ۔ اور ایک وظیفہ مشہور ہے اللہ الصمدی یا محمد مددی اس میں صمد کی اضافت الی الیاء مع لام تعریف کے نہ معلوم کیسی اضافت ہے۔ تو لفظی غلطی ہے اور معنوی غلطی نداء غیر اللہ ہے۔ اسی طرح کلکتہ میں کیرانہ کے ایک پیرزادے ہیں، ان کا رات دن وظیفہ یہ تھا یا حی یا قیوم کچھ دے نقدی کچھ دے ٹوم۔ پھر سنا ہے کہ ان کو کلکتہ پہنچ کر نقدی بہت ملی۔ اور ایک وظیفہ بعضے لوگ یہ بتلاتے ہیں۔ اُڑ بھنیری ساون آیا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اس کا مطلب کیا ہے تو کہتے ہیں، اجی بزرگوں کے کلام میں برکت ہوتی ہے، معنی سے کیا بحث۔ سبحان اللہ! ہر کلام میں برکت کیونکر تسلیم کر لی جائے، چاہے وہ کیسا ہی بے تکا کلام ہو۔ کوئی خدا ورسول کا کلام تو نہیں جو ایمان لے آیا جائے۔ اور خدا ورسول کا کلام بے تکا ہو ہی نہیں سکتا۔

اشغال کی تعلیم میں غلطی

یہ تو وظائف میں گڑ بڑ ہے، بعض لوگ اشغال میں گڑ بڑ کرتے ہیں، چنانچہ ایک شغل یہ بتلایا جاتا ہے کہ سانس آنکھ ناک کان کو بند کرلو۔ اور اس کو بڑا ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور اس پر غضب یہ کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو اس شغل کا موجد بتلاتے ہیں اور دلیل میں یہ شعر پڑھتے ہیں۔

چشم بندولب بہ بندوگوش بند گر نہ بینی نور حق برمن بخند (۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہم نے یہ شعر مثنوی میں دیکھا نہیں نہ ہم کو اُس میں ہونا یاد ہے اور اگر ہو بھی تو میں بقسم کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاصی سے ان اعضاء کو بچاؤ۔ کیونکہ نور حق کا وعدہ طاعات کے امتثال اور ترک معاصی ہی پر ہوسکتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ﴾(۲) اور حدیث میں بھی ہے کہ جو شخص کسی نامحرم سے اپنی نگاہ کو روکے یا ہٹائیگا وہ ایک حلاوت اپنے دل میں پائیگا دوسرے مولانا کے زمانہ میں یہ اشغال نہ تھے، یہ جوگیوں سے لئے گئے ہیں، اس لئے کہ طبی قاعدہ سے حصولِ یکسوئی میں یہ اشغال مفید ہیں باقی ثواب میں ان کو کچھ دخل نہیں ۔غرض یہ لوگ اسی اُدھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ کیفیات وغیرہ کے لئے وظائف پڑھیں یا اشغال کریں اور اس کو بڑا مجاہدہ اور ثواب سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کو مقصود سے کچھ بھی مس (۳) نہیں اور جو شیخ اس حالت میں ان مریدوں کو وظیفے ہی بتلاتا جائے، اُس کے متعلق محقق یوں کہے گا۔

بے خبر بودند از حال دروں استعیذ اللّٰہ مما یفترون (۴)

(۱) آنکھیں بند، ہونٹ بند، کان بند، اگر یہ مجاہدہ کرنے کے بعد بھی نور حق نظر نہ آئے تو مجھ پر ہنس لینا۔ (۲) سورۃ: النور: ۳۰ (۳) مقصود سے کوئی تعلق نہیں (۴) یہ اندرونی حال سے بے خبر ہے میں اس قسم کے افتراء پردازوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

اس کو اصل مرض کی خبر نہیں جو اس شخص کی پریشانی کا سبب ہے اصل مرض صرف یہ ہے کہ اس نے یکسوئی اور کیفیت ذوق وشوق وغیرہ کو مقصود سمجھ رکھا ہے اس لئے پریشان ہے۔

کیفیات کے مقصود نہ ہونے کی دلیل

اس مرض کا اصلی علاج یہ ہے کہ اس کے ذہن نشین یہ مسئلہ کر یا جائے کہ یہ کیفیات مقصود نہیں ہیں کیونکہ یہ مامور بہا(۱)نہیں ہیں اور مقصود وہی ہے جو مامور بہ ہے اور ظاہر ہے کہ تحصیل استغراق وغیرہ کا نصوص میں کہیں امر نہیں کسی کو دعویٰ ہو تو دکھلائے۔ ہاں شوق وخشیت کے لئے حدیث میں دعا آئی ہے(۲) اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ بعض احوال محمود ہیں، مگر مقصود ہونا تو ثابت نہ ہوا کیونکہ یاد رکھو کہ شریعت نے اُنہی اشیاء کو مقصود بنایا ہے جو بندہ کے اختیار میں ہوں اور جو شے اختیار انسان سے باہر ہو وہ مامور بہ(۳)نہیں ہوتی نہ مقصود ہوتی ہے۔

اشکال وجواب

شاید اس پر آپ کہیں کہ مغفرت ودخول جنت بھی تو غیر اختیاری ہے، یہ بھی مقصود نہ ہوئی ورنہ اگر یہ مقصود ہیں تو بتلاؤ قرآن میں ان کا کہاں امر ہے۔ میں کہتا ہوں قرآن میں تو ان کا امر جا بجا صراحۃً مذکر ہے: ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾(۴) اور اس کا امر اس لئے ہے کہ ان

(۱) ان کیفیات کے حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا (۲) فان قلت قال تعالی وفی ذلك فليتنافس المتنافسون وهذا هوالشوق وقال واياى فاذهبون وهذا الخشية فكيف لا يكونان مامورين بهما قلت ان الماور به درجة الشوق والخوف العقلی دون الطبعی ۔ جامع (۳) غیر اختیاری کام کا نہ حکم دیا گیا ہے نہ وہ مقصود ہیں (۴) سورۃ الحدید:۲۱۔

دونوں کا حصول انسان کے اختیار میں ہے، شاید آپ اس سے چونکیں گے کہ حصول مغفرت ودخول جنت اختیار میں کہاں تو میں کہتا ہوں کہ امور اختیاریہ کا اختیاری ہونا، جس درجہ میں ہے اور جو مبنیٰ اُن کے اختیاری ہونے کا ہے، وہ مبنیٰ یہ ہے کہ اُس کا سبب انسان کے اختیار میں ہے(۱) باقی یہ کہ مسبب براہ راست اختیار میں ہو سو یہ کسی امر میں بھی نہیں۔(۲) دیکھئے سیراب ہونا پیٹ بھرنا ملازمت زراعت سے روپیہ حاصل کرنا وغیرہ جو اختیاری کہلاتے ہیں، اسی معنی کے اعتبار سے کہ ان کے اسباب اختیار میں ہیں ورنہ مسبب تو کسی کے بھی اختیار میں نہیں عقلاء سب اس پر متفق ہیں۔

جس کے اسباب اختیار میں ہوں وہ شئی اختیاری ہے

اور جب یہ ہے تو بتلاؤ جنت و مغفرت اختیاری کیوں نہیں جبکہ ان کے اسباب اختیاری ہیں، یعنی اعمال صالحہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جابجا اعمال پر مغفرت ودخول جنت کو متفرع فرمایا ہے اور اعمال اختیاری ہیں تو یہ بھی اختیاری ہے، کیونکہ سبب اختیار میں ہے اور سبب ہی کے اختیاری ہونے پر شے کا اختیاری ہونا مبنی ہے۔ باقی ان احوال وکیفیات کی طلب وتحصیل کا امر تم بتلاؤ کہاں ہے یا کس عمل پر ان کے ترتب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بس سالکین کی زیادہ تر پریشانی کا راز یہ ہے کہ وہ غیر مقاصد کے درپے ہوتے ہیں۔ یہ حال تو محققین کا ہے کہ وہ کیفایت کے طالب ہیں اور ان کے انعدام سے پریشان ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ محقق ہونے کے ساتھ غیر محقق ہیں۔

(۱) جنت میں داخلہ کا سبب نیک اعمال کا ہونا اور نیک اعمال کا کرنا انسان کے اختیار میں ہے تو اس معنی کو جنت کا داخلہ انسان کے اختیار میں ہوا (۲) نتیجہ انسان کے اختیار میں ہو تو یہ کسی میں بھی نہیں مثلاً بیج بونا اختیار میں ہے پودے کا نکلنا اور اس پر پھل لگنا یہ اختیار میں نہیں لیکن پھل کے حصول کے لئے ابتداءً بیج بونا فعل اختیاری ہے جو بالآخر پھل آنے کا سبب ہو ہی جاتا ہے۔

جماعت مبطلین اور ان کا طرز عمل

اور ایک جماعت مبطلین کی ہے جن کو غیر محققین بھی کہا جاتا ہے، ان کی یہ حالت ہے کہ احوال وکیفیات کی طلب میں ان لوگوں سے معاصی تک سرزد ہوتے ہیں، مثلاً بیوی بچوں سے ترک تعلق کردیتے ہیں تاکہ کیفیت میں فرق نہ آئے۔ میرٹھ کا واقعہ ہے کہ میں وہاں اپنے گھر والوں کے علاج کے واسطے ان کے ساتھ گیا ہوا تھا اس وقت ایک مسماۃ نے بیعت کی درخواست کی چند عورتوں نے اُس کو کہا تو اُن سے بیعت نہ ہو، بلکہ ہمارے پیر سے مرید ہونا جنہوں نے پچاس سال سے بیوی کا منہ نہیں دیکھا اور یہ تو بیوی کو سفر میں لئے لئے پھرتے ہیں، اُس مسماۃ نے اس قسم کا جواب دیا کہ تمہارے پیر سے تو میں ہرگز بیعت نہ ہونگی وہ تو پچاس برس سے خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہے کہ بیوی بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتا میں تو ان سے ہی مرید ہوں گی ان کا طرز سنت کے موافق ہے۔ تو اس ظالم نے پچاس برس سے بیوی کو چھوڑ رکھا تھا، شاید اسی لئے علیحدہ رہا ہوگا تاکہ بیوی کے اختلاط سے یکسوئی وغیرہ کی کیفیت میں خلل نہ آجائے، مگر جو کیفیت معصیت کے ساتھ بھی مجتمع رہے ایسی کیفیت خود مردود ہے[1] یاد رکھو کہ بعض دفعہ کیفیات محمودہ وکیفیات غیر محمودہ میں صورۃً اشتباہ ہوجاتا ہے، مثلاً تذلل وتملق وتواضع[2] کی صورت بعض دفعہ یکساں ہوتی ہے اسی طرح استغناء عن الخلق وکبر کی[3] صورت متشابہ ہوجاتی ہے ایسے ہی نفسانی یکسوئی اور روحانی یکسوئی میں اشتباہ ہوجاتا ہے بیوی بچوں سے الگ رہ کر جو یکسوئی حاصل ہوتی ہے وہ نفسانی یکسوئی ہے روحانی نہیں ہے۔ اس تشابہ وتشاکل کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

بحر تلخ وبحر شیریں ہمعناں   درمیاں شان برزخ لایبغیاں[4]

(۱) قابل رد ہے (۲) ذلت چاپلوسی اور تواضع (۳) مخلوق سے بے نیازی اور تکبر کی صورت ایک سی ہوتی ہے
(۴) شیریں اور شور دریاء ساتھ ساتھ ہیں لیکن دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے اس سے بڑھ نہیں سکتے۔

کیفیات محمودہ مذمومہ میں امتیاز کا معیار

جب کیفیات میں باہم تشابہ ہے تو اب کسی معیار کی ضرورت ہوئی جس سے معلوم ہوسکے کہ کونسی کیفیت محمودہ ہے اور کونسی مذمومہ (۱) سو اسکے لئے معیار صرف شریعت مقدسہ ہے، یعنی جو کیفیت کسی گناہ کا مقدمہ (۲) ہوجائے وہ مذموم ہے ورنہ محمود ہے اگر یہ معیار سامنے نہ ہوتو پھر کیفیات تو جوگیوں کو بھی نصیب ہوجاتی ہیں، کیا اُن کو بھی صوفی اور ولی کہوگے۔ اور آج کل اس کہہ دینے میں بھی استبعاد (۳) نہیں کیونکہ جب لوگوں نے کیفیات ہی کو مقصود سمجھ لیا ہے اور تصوف انہی کا نام رکھ چھوڑا ہے تو ان کے نزدیک ہر صاحب کیفیت صوفی ہے، خواہ مسلم ہو یا کافر۔ چنانچہ آج کل ایک کافر صاحب ریاضت کے بہت سے مسلمان معتقد ہیں۔ اور مظفر نگر میں سنا تھا کہ ایک ہندو بابو کے بہت سے مسلمان مرید ہیں۔

ہندوؤں کو بیعت کرنے کا نقصان

اسی طرح بعض دفعہ ہندو کسی مسلمان پیر سے مرید ہوتے ہیں اور وہ مسلمان پیر صاحب اس کو مرید کر لیتے ہیں اور مرید صاحب ہندو کے ہندو ہی رہتے ہیں، یہ مصلحت سمجھتے ہیں کہ شاید کسی وقت مسلمان ہوجاویں۔ مگر ہمارے اکابر نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔ گنگوہ میں حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس ایک ہندو مرید ہونے آیا اور تعجب ہے کہ وہ ایک بہت بڑے بزرگ زمانہ سے مرید تھا، اُن کا انتقال ہوگیا تھا اس لئے مولانا کے پاس تجدید بیعت کے لئے آیا اور اُن مرحوم بزرگ کے ایک معتقد کا خط لیا، حضرت مولانا نے صاف فرمادیا کہ بیعت کرنے سے انکار نہیں، مگر ہمارے یہاں بیعت کی سب سے اول شرط اسلام ہے۔ مسلمان ہوجاؤ، ہم مرید کرلیں گے۔ اُس نے یہ شرط قبول نہ کی، حضرت نے مرید نہ کیا۔

(۱) کونسی حالت اچھی ہے کونسی بری (۲) کسی گناہ کا پیشہ خیمہ ہوجائے (۳) یہ بات بھی کوئی بعید نہیں ہے۔

بعد میں بعضوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اس کو اسی حالت میں مرید کرلیا جاتا تو اسلام سے قریب ہوجاتا۔ فرمایا ہرگز نہیں بلکہ اور بعید [۱] ہوجاتا، کیونکہ ذکر و شغل میں خاصیت ہے کہ اس سے کیفیات طاری ہوتی ہیں اور کیفیات میں خاص لذت بھی ہوتی ہے، جس کو یہ شخص قرب حق کی لذت سمجھتا اور اس کو کافر رہ کر بھی یہ کیفیات حاصل ہوجاتیں تو اس کا یہ خیال پختہ ہوجاتا کہ قرب الٰہی میں اسلام کو کچھ دخل نہیں، نہ اسلام کی ضرورت ہے بلکہ کافر رہ کر بھی قرب حق حاصل ہوسکتا ہے تو پھر کسی وقت بھی اس کے اسلام لانے کی امید نہ رہتی اور اب جو کورا جواب دیا گیا ہے کہ بدون اسلام کے خدا کا راستہ نہیں مل سکتا اب امید تو ہے کہ شاید کسی وقت اسلام کی ضرورت کا خیال اس کے دل پر غالب ہو اس قصہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کیفیات کافر کو بھی حاصل ہوجاتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جس چیز کے حصول میں اسلام بھی شرط نہ ہو وہ کیونکر مقصود اور قرب کا موقوف علیہ ہوسکتی ہے، ہرگز نہیں خوب سمجھ لو کہ ان کیفیات کو قرب میں کچھ دخل نہیں، نہ یہ مقصود اور قرب کا موقوف علیہ ہوسکتی ہے، ہرگز نہیں خوب سمجھ لو کہ ان کیفایت کو قرب میں کچھ دخل نہیں، نہ یہ مقصود تصوف ہیں۔ اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کفار کو مرید کرنا اسلام سے ان کو قریب کرنا نہیں ہے، بلکہ بعید کرنا ہے آجکل ایک صاحب پیر بنے ہوئے ہیں، اُن سے ہندو بھی مرید ہیں۔

جاہل پیر کی ہرزہ سرائی

اور ستم پر ستم یہ کہ آپ نے ایک رسالہ میں یہ بھی شائع کیا ہے کہ میرے بعض ہندو مرید مجھ سے کہتے ہیں کہ اگر آپ کہیں تو ہم مسلمان ہوجائیں، میں نے اُن کو لکھ دیا ہے کہ نہیں مسلمان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ ہندو رہ کر بھی کامیاب

(۱) بلکہ اور دور ہوجاتا۔

ہو سکتے ہیں (یا اسی کے قریب کچھ الفاظ تھے) بتلائیے جو شخص مسلمان ہونے والے کو اسلام سے روکے اور یہ کہے کہ اسلام کی ضرورت نہیں، اس کے کفر میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، مگر یہ کمبخت پھر بھی شیخ طریقت اور پیر ہونے کے مدعی ہیں، نہ معلوم یہ کیسا تصوف ہے، جس کے لئے اسلام کی بھی ضرورت نہیں، سلف کے نزدیک تو تصوف کے معنی تعمیر الظاہر والباطن (۱) تھے کچھ عرصہ سے تعمیر ظاہر کو تو لوگوں نے تصوف سے نکال ہی ڈالا تھا، اب ایسے خلف پیدا ہوئے، جنہوں نے تعمیر باطن کو بھی اُس سے الگ کردیا کہ ایمان واسلام سے بھی دل کو آباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب ایمان وعمل دونوں اجزا جاتے رہے تو فرمائیے وہ تصوف کیا خاک رہا۔ بلکہ محض جوگ رہ گیا۔ پھر یہ لوگ اپنے کو صوفی کس لئے کہتے ہیں جوگی کہنا چاہئے۔

تصوف سے بداعتقادی کی وجوہ

انہی وجوہ سے بعض لوگ تصوف سے بداعتقاد ہوگئے کہ یہ عجب گورکھ دہندا ہے جس میں نہ اسلام کی ضرورت نہ ایمان کی نہ عمل کی نہ معاصی سے بچنے کی اور ظاہر ہے کہ سب مسلمان تو ایسے جاہل نہیں کہ ان کو دین کی کچھ بھی عقل نہ ہو، وہ اس حالت کو یقینی بے دینی سمجھتے ہیں اور ان جوگیوں کی وجہ سے جنہوں نے شیخ اور صوفی کا لقب اختیار کررکھا ہے، اس فیصلہ پر مجبور ہوئے کہ تصوف زندقہ اور بے دینی کا نام ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کیا چند اناڑی عطائیوں کے غلط سلط نسخوں سے فن طب یا محقق اطباء سے بھی آپ بداعتقاد ہوسکتے ہیں، ہرگز نہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ عطائی صوفیوں کی حرکات سے آپ تصوف کو چھوڑ دیں اور محقق صوفیاء سے بھی بداعقاد ہوجائیں۔ جس طرح آپ علم طب میں محقق طبیب کی تلاش کرتے ہیں، اسی طرح

(۱) ظاہر وباطن کی تعمیر وترقی۔

تصوف میں بھی محقق صوفی کو تلاش کرنا چاہئے، سب سے بداعتقادی کی کیا وجہ ہے۔

کیفیات کے غیر مقصود ہونے کی وجہ

غرض میں کیفیات کے غیر مقصود ہونے کو بتلا رہا تھا کہ ان کے حصول میں اسلام کی بھی ضرورت نہیں تو پھر یہ مدارِ قرب کیونکر ہوسکتے ہیں، اب ایک بات اور کہتا ہوں کہ دین میں مقصود وہ ہوتا ہے جو بدون تحصیل کے حاصل نہ ہو، جس کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو اور قرآن میں منصوص ہے کہ بعضے احوال جیسے کشف، مرتے ہی سب کو خود بخود حاصل ہوجائیں گے، یہاں تک کہ کفار کو بھی چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ (۱) اور فرماتے ہیں: ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (۲) اور ارشاد ہے: ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ لا يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا﴾ (۳) باقی میرا یہ مطلب نہیں کہ یہ محمود بھی نہیں۔

حصول کیفیات پر شکر کرے عدم حصول پر غم نہ کرے

اگر کسی کو کیفیات محمودہ حاصل ہوں (جس کی محمودیت کا معیار آپ کو ابھی معلوم ہوچکا ہے کہ اُس سے طاعت میں ترقی اور گناہوں میں کمی ہو) تو نورٌ علیٰ نور ہے، خدا کی نعمت ہے، اس کی قدر کرے اور نہ حاصل ہوں تو کچھ غم نہ کرے اس وقت اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر سنایا جائیگا

روزہا گر رفت گورو باک نیست　　تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست (۴)

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی یہ کہتا کہ اتنی لاکھ دفعہ ذکر کرتا ہوں مگر نفع نہیں ہوتا تو فرمایا کرتے کیا یہ نفع تھوڑا ہے کہ اتنی لاکھ مرتبہ ذکر کی توفیق ہوگئی۔

---

(۱) سورہ الزمر: ۴۷ (۲) سورہ ق: ۲۲ (۳) سورہ مریم: ۳۸ (۴) بڑی مصیبت بھی اگر ذکر کی بھی توفیق نہ ہوتی

عاقل ذکی کو کیفیات کم ہوتی ہیں اس پر ایک واقعہ

ہمارے ایک دوست ہیں وہ ذکر و شغل کے پابند ہیں مگر طالب کیفیات ہیں اور کیفیات ان کو حاصل نہیں ہوتیں، کیونکہ کیفیات کا مدار یکسوئی پر ہے اور یکسوئی کم عقلوں کو زیادہ ہوجاتی ہے، عاقلوں کو خاص کر صاحب ذکاوت مفروطہ (۱) کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ اُس کا دماغ ہر وقت حرکت فکریہ میں رہتا ہے، اسی لئے میں نے اُن سے کہدیا تھا کہ تم کو کیفیات کبھی حاصل نہ ہوں گی تم صرف ذکر و شغل کو غنیمت سمجھ کر کئے جاؤ۔ مگر وہ طلب سے باز نہ آئے، ایک صاحب توجہ وتصرف بزرگ (۲) کے پاس گئے انہوں نے ان سے روزے رکھوائے اور درود واستغفار نہ معلوم کتنا پڑھوایا، پھر ان پر توجہ ڈالی۔ ایک دن ڈالی پھر دوسرے دن پھر تیسرے دن، مگر ان پر اثر ہی نہ ہوا، ایک کیفیت بھی حاصل نہ ہوئی۔ اس وقت ان کو میرے قول کی تصدیق ہوئی کہ واقعی میں کیفیات کے قابل نہیں ہوں، اس وقت طلب کیفیت دل سے نکلی اور اس کے قبل ان ہی کا ایک واقعہ اور ہوا تھا کہ انکو ایک ریاست میں جہاں عرصہ تک ملازم رہے تھے، کسی کام سے جانا پڑا، مجھ سے اجازت لی میں نے اجازت دے دی، گو میں جانتا تھا کہ اس سفر سے معمولات ناغہ ہوں گے، مگر میں نے قصداً یہی سمجھ کر اجازت دی تھی کہ ذرا ان کو ذکر و شغل کی قدر تو معلوم ہو، چنانچہ اس سفر میں معمولات کے ناغے ہونے سے، ان کو اپنے قلب میں ایک ظلمت سی محسوس ہوئی اور وہ جو ذکر کرنے سے خاص نور پیدا ہوا تھا اس میں کمی ہوئی تو وہ بڑے گھبرائے اور نہایت قلق ہوا، میرے پاس خط لکھا جس میں اپنی تباہی اور بربادی کا رونا رویا تھا۔ میں نے لکھا کہ آج ان معمولات کے ناغہ ہونے کی فکر

(۱) جو زیادہ ذہین ہو (۲) ایسے بزرگ کی خدمت میں گئے جو توجہ ڈال کر انسان کی حالت میں تبدیلی پیدا کردیتے تھے۔

کیوں ہے، اس کا قلق اس قدر کس لیے ہے یہ تو وہی ہے جس کی تم تحقیر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بدون کیفیت یہ معمولات لاشے ہیں ان واقعات کے بعد وہ چین سے بیٹھے اور سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا بڑی دولت ہے یہ دولت ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔

توفیق ذکر بڑی دولت ہے اس پر ایک عبرتناک حکایت

اگر وہ تم سے توفیق سلب کرلیں اور تم ایک دن بھی اللہ کا نام نہ لے سکو تو بتلاؤ کیا کرلوگے

؎ بلا بودے اگر ایں ہم نبودے (۱)

سنبھلو کیا کیفیات لئے پھرتے ہو۔ تم اس غیر مقصود کی طلب میں مقصود کی بے قدری کرکے کہیں اس سے بھی ہاتھ نہ دھو بیٹھنا کیونکہ ایک صورت قہر نازل ہونے کی یہ بھی ہے کہ خدا کا نام لینے کی توفیق سلب ہوجائے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ کلمہ توحید زبان سے نکالنا چاہا مگر زبان نہ چلی اور سب باتوں میں زبان چلتی تھی، مگر کلمہ زبان سے نہ نکلتا تھا۔ یہ عارف تھے گھبرا گئے، اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے الہام ہوا کہ فلاں دن جس کو اتنے سال ہوئے تم نے ایک ہی کلمہ زبان سے نکالا تھا اور اب تک اس سے توبہ نہیں کی، آج اس کی یہ سزا مل رہی ہے کہ کلمہ کی توفیق سلب ہوگئی، اس گناہ سے توبہ کرو تو عذاب ٹلے۔ چنانچہ انہوں نے توبہ کی، توبہ قبول ہوئی اور یہ وبال رفع ہوا، حضرت اس کو معمولی بات نہ سمجھئے کہ آپ کو ذکر کی توفیق ہوگئی، واللہ یہ بڑی دولت ہے، ورنہ ہزاروں لاکھوں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، جنکی زبان کو خدا نے توفیق ذکر سے بند کردیا ہے۔

ایک آقا و غلام کی حکایت

جیسے ایک حکایت ہے کہ غلام اور آقا بازار کو گئے راستہ میں مسجد آگئی غلام

(۱) بڑی مصیبت تھی اگر ذکر کی بھی توفیق نہ ہوتی۔

نمازی تھا آقا بے نمازی غلام نے نماز پڑھنے کے لئے آقا سے اجازت چاہی، اُس نے اس کو اجازت دے دی اور خود مسجد کے دروازہ پر بیٹھ گیا، جب نماز ختم ہوگئی اور نمازی مسجد سے نکلنے لگے تو آقا صاحب کو انتظار ہوا کہ اب غلام بھی آتا ہوگا، مگر وہ نہ آیا اور بہت دیر لگا دی۔ اس پر آقا نے جھلا کر پکارا کہ میاں کہاں رہ گئے آتے کیوں نہیں۔ غلام نے جواب دیا کہ آنے نہیں دیتے! کہا کون نہیں آنے دیتا۔ کہا جو تم کو اندر نہیں آنے دیتا، وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا صاحبو! یہ توفیق اور عدم توفیق ہی تو ہے کہ غلام مسجد کے اندر نواب بنا بیٹھا ہے۔ اور آقا صاحب باہر سیڑھیوں پر منتظر نوکر بنے بیٹھے ہیں، مگر آج کل ایسے مذاق کے بھی لوگ موجود ہیں جو بجائے اس کے کہ اس خذلان پر قلق کریں (۱) فخر کرتے ہیں، چنانچہ ایک شخص کا بچھڑا ہاتھ سے چھوٹ کر مسجد میں گھس گیا، مؤذن جھلانے لگا کہ لوگ جانوروں کو مسجد میں گھسا دیتے ہیں، تو وہ بچھڑے والا جواب دیتا ہے کہ میاں جی کیوں بگڑتے ہو، جانور بے سمجھ تھا مسجد میں آیا، بھلا کبھی تم نے ہمیں بھی یہاں آتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کمبخت کے نزدیک مسجد میں جانا کم سمجھ لوگوں کا کام ہے۔ مگر ایسے نامعقولوں کو موت کے بعد جواب معلوم ہو جائیگا، یہاں وہ قابل خطاب نہیں ہیں۔ بھر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذکر اللہ ہی بڑی دولت ہے اس کی قدر کرو اور کیفیات کے درپے ہو کر اس کی بیقدری نہ کرو۔

ایک سالک کی حکایت جس کو شیطان نے دھوکہ دیا اور غیب سے اس کی دستگیری ہوئی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک سالک کو

(۱) اس محرومی پر افسوس کریں۔

شیطان نے دھوکہ دیا کہ تم برسوں سے ذکر شغل تہجد وغیرہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کوئی پیام ہے نہ سلام ہے تو پھر تم ہی کیوں سر مارتے ہو، جب وہ پوچھتے تک بھی نہیں۔ اس دھوکہ کا اس کے ذہن میں کچھ جواب نہ آیا، اس رات اُس نے ذکر و شغل و تہجد سب ترک کر دیا، سوتے ہوئے کوئی لطیفہ غیبیہ خواب میں آیا اور اس نے حق تعالیٰ کی طرف سے پوچھا کہ کیوں صاحب آج ہم کو چھوڑ کر کیوں سو گئے، نہ ذکر کیا نہ تہجد میں اٹھے اُس نے وہی جواب دیا، جو شیطان نے دھوکہ میں پڑھایا تھا کہ اُدھر سے تو کچھ پیام وسلام ہے ہی نہیں پھر میں ہی کیوں سر ماروں وہاں سے جواب ارشاد ہوا ؎

گفت آن اللہ تو لبیک ماست   ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

کہ یہ اللہ اللہ کہنا خاص کر ایک دفعہ اللہ کہہ کر دوبارہ زبان سے اللہ نکلنا یہ ہمارا جواب ہی تو ہے کہ ہاں ہم نے پہلا قبول کر لیا ہے، اگر پہلا قبول نہ ہوتا بلکہ ناگوار ورد ہوتا تو زبان بند کر دیتے اور ذکر کی توفیق سلب کر لیتے، کیونکہ جس شخص کا دربار میں آنا بادشاہ کو ناگوار ہو اور بادشاہ صاحب قدرت بھی ہو تو وہ پہلی ہی دفعہ کان پکڑ کر اس کو نکال دیتا ہے۔

قبولیت عبادت کی علامت

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے ایک مسئلہ مستنبط فرمایا کہ جس طاعت کے ایک دفعہ کرنے کے بعد دوبارہ اس کی توفیق ہو جائے تو سمجھو کہ پہلی طاعت قبول ہو چکی ہے اور گو یہ استنباط قطعی نہیں مگر ظاہر عادۃ اللہ اور وسعت رحمت اسی کو مقتضی ہے، پس تغلیب رجا میں یہ بہت نافع ہے جو کہ شرعاً مامور بہ ہے لا یموت

احـد کـم الاوھو یحسن الظن بربہ (۱) الغرض آج کل بیعت کی حقیقت وغایت میں عام طور پر غلطی ہورہی ہے، لوگ مقاصد وغیر مقاصد میں فرق نہیں کرتے، نہ اعمال کا اہتمام کرتے ہیں، نہ اعمال پر روک ٹوک ہے، حالانکہ تعلق بیعت میں طرفین سے التزام بھی ہے اطاعت کا، اور معاہدہ ہے اصلاح کا، پھر بھی وہاں روک ٹوک نہیں، صرف وظائف کی بھرمار ہے۔

قابل اصلاح اعمال

اور اگر کچھ روک ٹوک ہے بھی تو صرف دو چار اعمال پر جنکا ضروری ہونا سب کو معلوم ہے حالانکہ وہ باتیں زیادہ بتلانا چاہئیں جن کی مخاطب کو ضرورت ہی معلوم نہیں، مگر ایسی باتیں کیونکر بتلائیں، ان کی ضرورت سے خود شیخ ہی منکر ہیں اور منکر اس لئے ہیں کہ اُن سے خود کورے ہیں، اسی لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے عزیز! تمہاری اصلاح کی کیا امید ہو جبکہ تمہارے طبیب ہی مریض ہیں۔ صاحبو! بیعت ہونے کے بعد جن چیزوں پر روک ٹوک زیادہ ضروری ہے، وہ اس قسم کی ہیں۔ کبر وعجب اضاعت حقوق العباد حسد وبغض۔ فساد ذات البین (۲) وغیرہ مگر آج کل ان امور پر مطلق روک ٹوک نہیں حالانکہ پہلے زمانہ میں مشائخ کو اول اسی کا زیادہ اہتمام تھا، وظائف تو سالہا سال کے بعد تعلیم کرنے تھے اور یہی نہیں کہ محض زبان سے ان امور پر روک ٹوک کریں، بلکہ تدبیروں سے ان امراض کو قلب سے نکالتے تھے مثلاً کسی کو زینت پرستی میں مبتلا، دیکھا تو اُسے سڑکوں پر یا خانقاہ میں چھڑکاؤ کرنا، جھاڑو دینا بتلادیا اور جس میں تکبر دیکھا، اس کو نمازیوں کے جوتے سیدھا کرنا تعلیم کردیا، جن میں ایک جولاہے کے بھی جوتے تھے

(۱) تم میں سے کسی کو اس حالت میں موت نہیں آنی چاہیئے کہ وہ اللہ سے حسن ظن نہ رکھتا ہوں (۲) تکبر، فخر، لوگوں کے حقوق ضائع کرنا، حسد اور بغض اور دل کا فساد وغیرہ بیماریاں۔

جو اس متکبر کی رعیت کا جولاہا ہے اُس کے جوتے سیدھے کرتے ہوئے بس جگر ہی تو کٹ گیا اور دل پر آرہ ہی تو چل پڑا مگر یہ حالت ایک دو دفعہ میں ہوتی پھر افعال تواضع میں خاصیت ہے کہ ان سے قلب میں بھی تواضع پیدا ہوجاتی ہے۔ کرتے کرتے ہر قسم کی عادت ہوجاتی ہے۔

شیخ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ

حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ میں نے بارہا بیان کیا ہے، غالبًا سامعین اکثر اس سے واقف ہونگے کہ سلطان نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے عجب کا کس طرح علاج فرمایا تھا کہ اول ان کو حمام جھونکنے (۱) کی خدمت سپرد کی پھر سال بھر کے بعد بھنگن سے کہا کہ ان کے سر پر ذراسی اپنے ٹوکرے کی مٹی جھاڑ دے جب وہ اس پر جھلاّئے تو ایک مدت تک پھر یہی خدمت اور لی اور اس کے بعد مدت تک پھر یہی خدمت لی، پھر شکاری کتوں کی خدمت سپرد کی اور یہ کام اس شخص سے لئے جو گنگوہ کے پیرزادے بھی تھے اور قطب زادے بھی تھے، اس قسم کی خدمتیں لیکر پھر کہیں ذکر شغل بتلاتے تھے۔ اے صاحب اس قسم کی تعلیم کا تو آج کل کہیں پتہ بھی نہیں۔ حالانکہ ضرورت اسی کی ہے۔

شیخ کی صفات

کیونکہ شیخ کو طبیب کی طرح ہونا چاہئے کہ ہر مریض کو ایک ہی نسخہ نہ دے، بلکہ نسخے بدلتا رہے، جیسا مریض دیکھے ویسا ہی نسخہ بتلائے اور ایک مریض کو بھی ایک نسخہ نہ دے، بلکہ اس کے لئے بھی حسب ضرورت تبدل وتغیر کرتا رہے، مگر آج کل شیوخ کے یہاں بس ایک ہی طریقہ سب کے لئے ہے یہ طرز ٹھیک نہیں، بلکہ

(۱) حمام میں لکڑیاں جلانے کی خدمت سپرد کی۔

ہر شخص کے مناسب اس کے امراض کی تشخیص کے بعد جدا جدا تعلیم ہونا چاہئے۔ اور ان کو رات دن اعمال و اخلاق پر ٹوکنا چاہئے۔ اور جن اعمال کا دین ہونا عام طور سے معلوم ہے، اُس کا اہتمام اس قدر زیادہ ضروری نہیں بلکہ جن باتوں کا دینی ہونا لوگوں کو معلوم نہیں اُن کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

اصلاح اخلاق کا اہتمام

مثلاً اصلاح اخلاق کو آج کل دنیوی امور سے سمجھتے ہیں، اصلاح اخلاق کو دین نہیں سمجھتے ،مثلاً لوگوں کو اسکا اہتمام ہی نہیں کہ ہمارے فعل یا قول سے کسی کو ایذاء نہ پہنچے نہ اس کو دین کا کام سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں حضور نے اس پر اسلام ہی کو موقوف فرمایا ہے، گو علماء نے اس میں تاویل کرلی کہ مراد کمال اسلام کا موقوف ہونا ہے ،مگر حضور کے الفاظ تو یہی ہیں کہ مسلمان وہی ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں یعنی جو ایسا نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں کیا ان الفاظ کا اطلاق کچھ اثر نہیں رکھتا گو مراد وہی ہو جو علماء نے فرمائی ہے۔

حضور ﷺ کا طرز عمل

اب میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کو اسکا کس درجہ اہتمام تھا، حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات آپ حضرت عائشہؓ کے گھر تھے کیونکہ ان کی باری تھی اور وہ رات شب برات کی تھی حضور کو نصف شب کے وقت حکم ہوا کہ جنت البقیع کے مسلمانوں کے لئے جاکر دعا

کریں تو آدھی رات آپ اُٹھے جس کی کیفیت حضرت عائشہ یوں بیان فرماتی ہیں کہ قام رویدا وفتح الباب رویدا ثم خرج رویدا ثم غلفة رویدا حضور آہستہ سے اٹھے آہستہ آہستہ چلے۔ آہستہ ہی دروازہ کھولا آہستہ ہی باہر تشریف لے گئے، آہستہ ہی اس کو بند کیا، ہر کام آہستہ کیا تا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے، ان کو تکلیف نہ ہو حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کون تھیں حضور کی عاشق تھیں، جن کا محبوب کے لئے بزبان حال یہ قول تھا۔

گر برسر وچشم من نشینی　　نازت بکشم کہ نازنینی

اول تو عموماً بیوی کو شوہر سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اگر خاوند سوتی ہوئی کو جھنجھوڑ بھی دے، تب بھی اس کو ایذا نہ ہو بلکہ راحت ہو اور خصوصاً حضرات ازواج مطہرات تو حضور کی سب سے زیادہ عاشق تھیں اور بالخصوص ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، مگر اس تعلق پر بھی حضور نے سامان ایسا کیا تھا کہ انکو خبر نہ ہو مگر جب مکان حضور سے خالی ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قلب نے حالت نوم ہی میں اس کا احساس کیا اور ان کی آنکھ کھل گئی آنکھ کھولنے کے بعد جب حضور کو نہ پایا تو بڑی پریشانی ہوئی کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید آپ کسی بیوی یا باندی کے پاس چلے گئے بالآخر پریشانی میں گھر سے نکلیں اور آپ کو جاتے ہوئے دیکھ کر بقیع کی طرف چلیں دیکھا کہ حضور امت کے لئے دعا فرما رہے ہیں، یہ حالت دیکھ کر اطمینان ہوا اور یہ واپس ہوئیں اور پیچھے پیچھے حضور بھی واپس ہوئے اور راستہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب ہی آپ بھی پہنچ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس خیال سے کہ حضور کو معلوم نہ ہو تیز تیز چلنا شروع کیا حضور کو خیال ہوا کہ یہ آگے آگے کون ہے آپ نے بھی تیز چلنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھاگنے لگیں اور حضور سے پہلے

اپنے گھر میں داخل ہوکر بستر پر لیٹ گئیں مگر سانس پھولا ہوا تھا اس کو کیونکر دباتیں۔ حضور جو گھر میں تشریف لائے تو آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سانس پھولا ہوا معلوم ہوا فرمایا: یا عائشة مالك حشيا رابية یہ لمبا لمبا پھر سانس کیوں آرہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ میرے آگے تم ہی بھاگی ہوئی آرہی تھیں، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں تو حضور نے فرمایا اتخافين ان يحيف الله عليك ورسوله۔

حضرت مقداد کا واقعہ

اسی طرح حضرت مقداد بن الاسود صحابی فرماتے ہیں کہ ہم چند آدمی بھوکے پیاسے مدینہ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اپنے ذمہ کرلیا۔ حضور کے یہاں چند بکریاں پلی ہوئی تھیں اُن کا دودھ آپ نے ہم کو بتلادیا ہم سب بھی پی لیتے اور حضور کے لئے بھی رکھدیتے۔ حضرت مقداد فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور کو مکان پر تشریف لانے میں ذرا دیر ہوئی میں یہ سمجھا کہ شاید کسی نے آپ کی دعوت کردی ہوگی، اس خیال سے میں نے آپ کے حصہ کا بھی دودھ پی لیا۔ پی تو لیا مگر بعد میں خیال ہوا کہ اگر حضور کی دعوت نہ ہوئی ہو اور حضور بھوکے پیاسے رہے تو رات کیونکر بسر ہوگی بس یہ خیال آنا تھا اور مجھے بے چینی لگی، اب ہر چند کروٹیں بدلتا ہوں مگر چین نہیں آتا یہاں تک کہ حضور بہت دیر میں تشریف لائے اور آہستہ کواڑ کھولے اور ایسا آہستہ سلام کیا جس کو جاگنے والا سن لے اور سونے والا نہ جاگے، اللہ اکبر کیسا عدل جامع بین حق اللہ وحقوق العباد تھا کہ نہ تو سونے والوں کی اتنی رعایت کہ سلام ہی نہ کریں، کیونکہ احتمال اس کا بھی ہے کہ شاید کسی عارض سے کوئی جاگ رہا ہو۔ اور نہ اتنا غلو کہ زور سے اس طرح سلام کریں کہ سب کی آنکھ کھل جائے، چنانچہ آج کل صوفی اور سالکین بھی ان امور کی رعایت نہیں

کرتے، رات کو اٹھتے ہیں تو زور کے ساتھ کھٹ پٹ چلتے ہیں۔ استنجا کے لئے ڈھیلے بھی زور سے پھوڑتے ہیں۔ پانی بھی زور سے بھرتے ہیں، کلی بھی زور سے کرتے ہیں۔ آخر یہ کیا طریقہ ہے، کیا رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کسی دوسری قوم کے لئے ہے کہ وہ اس پر عمل کریں اور تم عمل نہ کرو۔ پورا قصہ یہ ہے کہ پھر حضور اُس برتن کی طرف چلے جس میں دودھ رکھا جاتا تھا، اس کو خالی پایا تو آپ نماز میں مشغول ہوگئے اور نماز کے بعد حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ اس وقت جو مجھے کھانا کھلائے اس کو آپ بھی روزی دیجئے اس وقت حضرت مقداد سے نہ رہا گیا اور اللہ کا نام لیکر بکریوں کے نیچے جا بیٹھے تو دیکھا کہ حضور کی دعا کی برکت سے سب کے تھن خوب بھرے ہوئے ہیں تب بہت سا دودھ لیکر آپ کے پاس آئے آپ نے پی لیا تو ان سے کہا کہ تم بھی پیو اس پر یہ بہت ہنسے حضور نے سبب پوچھا تو سارا واقعہ سنایا۔ غرض حضور کا تو یہ طریقہ تھا مگر ہم کو اتباع نبوی کا ذرا اہتمام نہیں۔

ہماری بعض کوتاہیاں

اور ایک مرض ہم میں یہ ہے کہ کسی جگہ سے کوئی چیز اٹھائیں گے تو اس کو بے جگہ رکھدیں گے جس سے دوسروں کو تلاش میں پریشانی ہوتی ہے۔ چارپائی بچھائیں گے تو بالکل راستہ میں پھر اُس کو وہیں چھوڑ کر کھڑے ہوجائیں گے، چاہے رات کو کوئی اُلجھ کر ہی گر پڑے اور ہاتھ پاؤں یا سر ہی پھوٹ جائے۔ اسی طرح جماعت کے بعد نفلوں کی نیت ایسی جگہ باندھیں گے جس سے لوگوں کو چلنے پھرنے میں تکلیف ہو کسی جگہ سے برتن میں کھانا آیا تو اب یہ نہیں ہوتا کہ اُس کا برتن جلدی خالی کردیں، بلکہ اُسی میں کھانا شروع کردیں گے، بلکہ کئی روز تک اُس کو محبوس رکھیں گے اور دوسرا شخص برتن مانگے تو کہتے ہیں کیا ہم رکھ لیں گے، میں کہتا ہوں

کہ دیر کرنے میں یہ بھی اندیشہ ہے کہ تم رکھ لو۔ یعنی رکھ کر بھول جاؤ چنانچہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کسی کے برتن جلدی واپس نہ کئے اور رکھ کر بھول گئے پھر مہینوں تک وہ اپنے ہی گھر پڑے رہے اگر مالک کو خود ہی یاد آ گئے تو وہ خود بلا سے لے جائے ورنہ بس یہی رہ جاتے ہیں۔ آخر یہ باتیں کلفت کی ہیں یا نہیں۔ پھر ان سے احتراز کیوں نہیں کیا جاتا۔

پیروں کی بے احتیاطی

اسی طرح مریدوں کی عادت ہے کہ پیر کے ساتھ کسی جگہ جائیں گے تو جماعت کی جماعت بیس پچیس آدمیوں کے ساتھ جائے گی اور وہ پیر بھی حضرت ہیں جو اس لشکر کو ساتھ لئے جا رہے ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ تم نے مرید کیا ہے یا لام بندی کی ہے۔ کسی پر چڑھائی کرو گے۔ اب میں کہتا ہوں کہ جس شخص کے یہاں یہ بیس پچیس آدمی جا کر مہمان ہوں گے۔ کیا اس کو گرانی نہ ہوگی، پیر کی دعوت اور خدمت کو تو وہ فخر سمجھے گا مگر اس لشکر کی خدمت وضیافت ضرور اُس کو گراں ہوگی پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی ان تکالیف کی پروانہیں ہوتی اور اُن کو جان جان کر ایذاء دی جاتی ہے اور ذرا دل پر چوٹ نہیں لگتی۔ اب اگر کوئی ان باتوں پر روک ٹوک کرے تو وہ بدنام ہوتا ہے کہ بڑے قانونی ہیں ہر بات کے لئے ان کے یہاں قانون ہے کہ یوں بولو، یوں اٹھو، یوں کھڑے ہو۔ اے صاحب تم بزرگوں کا تذکرہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ مشائخ کے یہاں زمان سابق میں اسی قسم کی تعلیم تھی اور انہیں باتوں پر روک ٹوک تھی۔

بزرگوں کا طریقہ تعلیم

میرے استاد فرماتے تھے کہ ایک بزرگ کا معمول تھا کہ جو شخص ان کے یہاں مہمان ہوتا اس کے لئے انداز سے کچھ زائد روٹی سالن بھیجتے، پھر جب سالن روٹی بچ کر آتا تو دیکھتے اگر تناسب سے بچا ہوتا تب تو وہ اس کو اپنے سلسلہ میں داخل فرماتے، ورنہ صاف کہہ دیتے کہ تمہاری طبیعت میں بیڈھنگا پن ہے، ہم سے تم سے نباہ نہ ہوگا۔ ایک حکایت اور سنی گئی ہے کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء دھلوی کے یہاں دو شخص مرید ہونے آئے۔ وہ آپس میں مسجد کا حوض دیکھ کر کہنے لگے کہ ہماری مسجد کا حوض اس سے بہت بڑا ہے۔ سلطان جی نے یہ گفتگو سن لی بلایا اور پوچھا کہ تمہارا حوض اس سے کتنا بڑا ہے کہا حضرت پیمائش تو معلوم نہیں۔ فرمایا اچھا جاؤ اس حوض کی پیمائش کر کے لے جاؤ اور اس کو پیمائش کر کے آؤ چنانچہ وہ گئے اور پیمائش کر کے واپس ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہمارا حوض ایک بالشت بڑا ہے۔ فرمایا تم تو کہتے تھے بہت بڑا ہے ایک بالشت زیادہ کو بہت بڑا نہیں کہہ سکتے، جاؤ ہم تم کو بیعت نہ کریں گے۔ یہ مت سمجھنا کہ حضرت سلطان جی نے ان کو محروم واپس کر دیا نہیں بلکہ اتنی بڑی دولت دیکر واپس کیا جو تمام عمر کام آئے گی وہ کیا؟ احتیاط فی الکلام کا سبق ایسا پڑھایا جو عمر بھر نہ بھولیں گے۔

محقق اور غیر محقق کی تعلیم میں فرق

یہی تو فرق ہے محقق وغیر محقق میں کہ محقق دھتکارتا بھی ہے تو کچھ دیکر اور غیر محقق عمر بھر چمکارتا ہے مگر محروم کا محروم رکھتا ہے۔ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا ہے اور انکا واقعہ سنا ہے کہ ان کے پاس ایک بڑھیا آئی اور آکر فقر وغیرہ کی شکایت

کی آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس سے کہہ دو خدا فضل کرے مرید نے یوں کہا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ بس یہ بزرگ اس خادم کے سر ہوگئے کہ میں نے ''گا'' کب کہا تھا تم نے یہ گا اپنی طرف سے کیوں لگایا۔ حضرت غور کیا جائے تو یہ بات ٹوکنے کی ضرور تھی کیونکہ اس تغیر سے کلام کے معنی بدل گئے صورت اولیٰ میں دُعا تھی کہ اللہ فضل کرے اور اس صورت میں پیشین گوئی ہوگی کہ بے فکر رہو خدا فضل کردے گا اسی لئے اُن بزرگ نے سخت تنبیہ کی کہ تم نے میری بات کو کیوں بدلا مجھے غیب کی کیا خبر۔

روک ٹوک عین عدل ہے

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ذرا ذرا سی بات پر بگڑنا ظلم ہے تو میں کہتا ہوں یہ ظلم نہیں بلکہ عدل ہے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے ڈاکٹر وطبیب بیمار کی بد پرہیزی پر روک ٹوک کرتا ہے، یقیناً اس کو کوئی ظلم نہیں کہہ سکتا۔ ایسے ہی یہ بھی ظلم نہیں، ایک طبیب میرے دوست ہیں وہ کہتے تھے کہ میرے زیر علاج ایک بمبئی کا سیٹھ تھا اُس نے کوئی بد پرہیزی کی مجھ کو معلوم ہوا تو میں نے نبض دیکھنے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو علاج کیسے کروں، اُس نے خوشامد شروع کی، میں نے کہا کہ اب تو میں دس ہزار روپیہ لیکر نبض دیکھوں گا۔ دوسرے تیسرے دن وہ شخص دس ہزار روپئے کے نوٹ لیکر آیا کہ یہ تو نبض دیکھنے کے لئے فیس ہے اور علاج کی فیس اس سے الگ دوں گا، مگر اُن دوست نے ہمت کی کہ یہ رقم واپس کردی اور کہہ دیا کہ مجھے تو تیرا علاج ہی منظور نہیں دس ہزار کا ذکر محض تعجیز کے لئے تھا تحدید کے لئے نہ تھا۔ تو حضرت اطباء جسمانی میں صاحب کمال طبیب ہیں وہ بھی مریض کی بدعنوانیوں پر ایسی سخت دار وگیر کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ

اطباء روحانی اُن کی خوشامد کریں ہرگز نہیں، بلکہ ان کو سب سے زیادہ کرنا چاہیئے کیونکہ ان سے تعلق ہی محض اس واسطے ہوا ہے کہ مرید ان کی اطاعت کرے اور یہ اُس کی اصلاح کریں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت کا فلاں مرید شراب پی کر فلاں جگہ بدمست پڑا ہے آپ کو محسوس ہوا کہ یہ اُس کو حقیر اور اپنے کو افضل سمجھتا ہے اُس کا یہ علاج کیا کہ فرمایا، جاؤ اُس کو اٹھالاؤ وہ جب تک وہاں رہے گا سلسلہ کی بدنامی ہے۔ اس میں اس کے تکبر کی اصلاح تھی کہ جس کو اس نے حقیر سمجھا تھا، اُسی کی خدمت اس کے سپرد کی۔ جب وہ اسکو لے کر چلا رستہ میں جو ملتا تھا کہتا تھا کہ یہ صوفیوں کا حال ہے، دونوں نے شراب پی ہے۔ دوسرا ابھی ہوش میں ہے یہ اخفاء حالت کے لئے اُس کو لیکر چلا ہے۔ تو یہ طریقہ تھا پہلے بزرگوں کا وہ اس طرح مریدوں کی اصلاح کرتے تھے، وجہ یہ کہ اُن کو امر بالمعروف اور تبلیغ کی اہمیت کا علم تھا۔

ترک تبلیغ کی وجہ

آج کل افسوس ہے کہ ہم لوگ اس فریضہ کو چھوڑے ہوئے ہیں جس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ ہمارے قلوب مخلوق کی ہیبت سے بھرے ہوئے ہیں اس لئے ہم کو تبلیغ سے رکاوٹ ہے اور ہر شخص کو تبلیغ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی خواہ ہم کو کیسی ہی قدرت ہو اور دوسرا ہمارا ماتحت ہی کیوں نہ ہو۔ رہا یہ کہ امر بالمعروف اور تبلیغ کسی عذر سے بھی معاف ہوجاتی ہے یا نہیں سو اس کو عمل شروع کرنے کے بعد

بتلاؤں گا پہلے تم عمل شروع کردو۔

اختتام وعظ اور دعاء

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب سے مخلوق کی ہیبت نکالدے اور ہم کو تبلیغ وامر بالمعروف کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (۱)

وصلی اللّٰہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

(۱) اللہ تعالیٰ ہم سب کو وعظ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور تبلیغ امر بالمعروف میں کوتاہی سے بچائے۔ آمین